

U16376, P-23-1200

He - KULLIYAT-E-NAZM-E-HALI (Part-1)

ceen - Khuraja Ataf Hussain Hali; Musattiba
Sheikh Mehdi, Ghouseel.

Al-Huda - Hali Book Dibo (Gauripet).

Date - 1924

Pages -

Subjects - Urdu Shajeri - Kulliyat-o-
Daur-e-Urdu

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لِسِحْرًا

کلیات نظم حالی

یعنی

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پانی پتی

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد اول

مستطبرق قطعات - غزلیات و رباعیات

مترتبہ

شیخ محمد اسماعیل سکرٹری اور ٹیٹل سپیکٹر پانی پتی

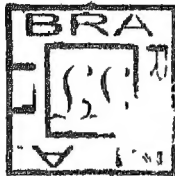
شائع کراچی

حالی بک ڈپو پانی پتی

قیمت قسم دوم ایک روپیہ بارہ آنے

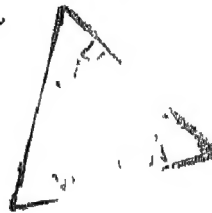
اول دور پے ہارم آنے

TRADU SECTION



CHIFFRE

24502



M.A. LIBRARY, A.M.U.



U16376

[Handwritten signature]

مرتب مصابین کلیاتِ رحمِ عالی جلدِ اول

صفحہ	عنوانِ نظم	صفحہ	عنوانِ نظم	صفحہ
۱۵	استفادہ	۲۳	دیباجہ	۱
۱۶	لاہن آدمی دوست اور دشمن	۲۴	حصہ اول - قطعات	۲
۱۷	دووں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں	۲۵	[از صفحہ ۱ تا صفحہ ۵۵]	۳
۱۸	سخن سازی	۲۶	چھوڑ کا بڑا بیخانا	۴
۱۹	عادت کا غلبہ عقل پر	۲۷	شعر سے خطاب	۵
۲۰	شعر کو سلطنت میں داخل دینا	۲۸	مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر	۶
۲۱	لوگ کسی کی خوبیاں شکر اُتر خوش	۲۹	نکتہ چینی	۷
۲۲	نہیں کرتے جتنے کہ اسے عجب شکر	۳۰	بے تیزی اُتارنے زبان	۸
۲۳	شاید لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ	۳۱	ایک خود پسند امیر زادہ کی تعجب	۹
۲۴	اسراف	۳۲	موجودہ پولیٹیکل سببیں	۱۰
۲۵	پاس نیکنامی	۳۳	بدی کر کے نیکی کی توقع نہ کرنی	۱۱
۲۶	غزور نیکنامی	۳۴	تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر	۱۲
۲۷	کالے اور گورے کی صحبت کا میڈیکل اثر	۳۵	سید احمد خاں کی تکفیر	۱۳
۲۸	خود ستائی	۳۶	قرض لیکر چھ کو جانے کی ضرورت	۱۴
۲۹	حکمہ رخصت	۳۷	آزادی کی قدر	۱۵
۳۰	جس قوم میں افلاس ہو اس میں بغل	۳۸	انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی	۱۶
۳۱	اتنا بدنام نہیں جتنا اسراف	۳۹	سید احمد خاں کو مخالفت کی وجہ	۱۷
۳۲	روم کے عہد کی قیامت	۴۰	قطار اہل اللہ	۱۸
۳۳	ایمان کی تعریف	۴۱	لوگوں پر سخت گیری کر کے انجام	۱۹
۳۴	برکت اتفاق	۴۲	نیشن کی تعریف	۲۰
۳۵	بنا دوسری مانع قرب معنوی نہیں ہے	۴۳	صفائی نہ رکھنے کا عذر	۲۱
۳۶	ناصح مخلص اور اہل عرض	۴۴	دلی کی شاعری کا تنزل	۲۲
۳۷	میں تیز	۴۵	بیٹیوں کی نسبت	۲۳
۳۸	خادم آقا کی خدمت میں کیوں	۴۶	سید احمد خاں کی تعصبات	۲۴
۳۹	گستاخ ہو جانے میں؟	۴۷	کی تردید	۲۵
۴۰	خوشامد کی ضرورت	۴۸	یقین	۲۶
۴۱	رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا	۴۹		

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۳۸	۲۶	۴۹	۲۶	۲۵	۴۵
۳۹	۲۷	۶۰	۲۷	۲۶	۴۶
۴۱	۲۸	۶۱	۲۸	۲۷	۴۷
۴۲	۲۹	۶۲	۲۹	۲۸	۴۸
۴۳	۳۰	۶۳	۳۰	۲۹	۴۹
۴۴	۳۱	۶۴	۳۱	۳۰	۵۰
۴۵	۳۲	۶۵	۳۲	۳۱	۵۱
۴۶	۳۳	۶۶	۳۳	۳۲	۵۲
۴۷	۳۴	۶۷	۳۴	۳۳	۵۳
۴۸	۳۵	۶۸	۳۵	۳۴	۵۴
۴۹	۳۶	۶۹	۳۶	۳۵	۵۵
۵۰	۳۷	۷۰	۳۷	۳۶	۵۶
۵۱	۳۸	۷۱	۳۸	۳۷	۵۷
۵۲	۳۹	۷۲	۳۹	۳۸	۵۸
۵۳	۴۰	۷۳	۴۰	۳۹	۵۹
۵۴	۴۱	۷۴	۴۱	۴۰	۶۰
۵۵	۴۲	۷۵	۴۲	۴۱	۶۱
۵۶	۴۳	۷۶	۴۳	۴۲	۶۲
۵۷	۴۴	۷۷	۴۴	۴۳	۶۳
۵۸	۴۵	۷۸	۴۵	۴۴	۶۴
۵۹	۴۶	۷۹	۴۶	۴۵	۶۵
۶۰	۴۷	۸۰	۴۷	۴۶	۶۶
۶۱	۴۸	۸۱	۴۸	۴۷	۶۷
۶۲	۴۹	۸۲	۴۹	۴۸	۶۸
۶۳	۵۰	۸۳	۵۰	۴۹	۶۹
۶۴	۵۱	۸۴	۵۱	۵۰	۷۰
۶۵	۵۲	۸۵	۵۲	۵۱	۷۱
۶۶	۵۳	۸۶	۵۳	۵۲	۷۲
۶۷	۵۴	۸۷	۵۴	۵۳	۷۳
۶۸	۵۵	۸۸	۵۵	۵۴	۷۴
۶۹	۵۶	۸۹	۵۶	۵۵	۷۵
۷۰	۵۷	۹۰	۵۷	۵۶	۷۶
۷۱	۵۸	۹۱	۵۸	۵۷	۷۷
۷۲	۵۹	۹۲	۵۹	۵۸	۷۸
۷۳	۶۰	۹۳	۶۰	۵۹	۷۹
۷۴	۶۱	۹۴	۶۱	۶۰	۸۰
۷۵	۶۲	۹۵	۶۲	۶۱	۸۱
۷۶	۶۳	۹۶	۶۳	۶۲	۸۲
۷۷	۶۴	۹۷	۶۴	۶۳	۸۳
۷۸	۶۵	۹۸	۶۵	۶۴	۸۴
۷۹	۶۶	۹۹	۶۶	۶۵	۸۵
۸۰	۶۷	۱۰۰	۶۷	۶۶	۸۶
۸۱	۶۸	۱۰۱	۶۸	۶۷	۸۷
۸۲	۶۹	۱۰۲	۶۹	۶۸	۸۸
۸۳	۷۰	۱۰۳	۷۰	۶۹	۸۹
۸۴	۷۱	۱۰۴	۷۱	۷۰	۹۰
۸۵	۷۲	۱۰۵	۷۲	۷۱	۹۱
۸۶	۷۳	۱۰۶	۷۳	۷۲	۹۲
۸۷	۷۴	۱۰۷	۷۴	۷۳	۹۳
۸۸	۷۵	۱۰۸	۷۵	۷۴	۹۴
۸۹	۷۶	۱۰۹	۷۶	۷۵	۹۵
۹۰	۷۷	۱۱۰	۷۷	۷۶	۹۶
۹۱	۷۸	۱۱۱	۷۸	۷۷	۹۷
۹۲	۷۹	۱۱۲	۷۹	۷۸	۹۸
۹۳	۸۰	۱۱۳	۸۰	۷۹	۹۹
۹۴	۸۱	۱۱۴	۸۱	۸۰	۱۰۰
۹۵	۸۲	۱۱۵	۸۲	۸۱	۱۰۱
۹۶	۸۳	۱۱۶	۸۳	۸۲	۱۰۲
۹۷	۸۴	۱۱۷	۸۴	۸۳	۱۰۳
۹۸	۸۵		۸۵	۸۴	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

کلیاتِ نظمِ حالی

اردو شاعری کے مجدد اور حکیمانہ نظم کے موجد ”سعدی ہند“ شمس العلام مولانا خواجہ الطاف حسین
 حالی پانی پتی کا نام نامی ہندوستان سبک میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ہر کہ دمہ
 آپ سے واقف اور مرعوب تھا آپ کی پُر سوز نظموں کا دلدادہ ہو۔ مولانا نے جو کیف انگیز روح ہادی
 شاعری کے مردہ اور بیجان جسم میں ڈالی ہو اور اردو نظم کو جس میں نقش شعروں۔ ناپاک داستانوں۔ غمناک
 مینوئوں۔ گندگی سے بھری ہوئی غزلوں۔ سجدہ وصال کے جھگڑوں۔ آسمانوں کی تسکینوں۔ رقیب
 کی برائیوں۔ گل و بلبل کے تذکروں۔ گنگھی چوٹی کی داستانوں۔ عاشق کی دغاؤں۔ معشوق کی
 کج ادائیگوں۔ انتظار کی راتوں۔ فراق کی سیرادیوں۔ واعظوں اور ناصحوں پر صلو اتوں اور چھٹیوں
 کے سوا بالعموم کچھ نہ تھا اور وہ جس اور پلید شاعری جس کا دفتر بے پایاں مولانا کے اس مصرع کا مصداق
 ہو رہا تھا کہ ”دعوت سے سدا سے چو ہے بدتر“ اُسے اس ادنیٰ اور ذلیل حالت سے مولانا
 نے جس معراج ترقی پر پہنچایا اور جیسے خوشنما نقش و نگار اور زلف و لب پھول بوٹے اُس میں بنائے ہیں
 اور اُسے جس قدر اخلاقی۔ ناصحانہ۔ ادبی اور فلسفیانہ سانچے میں ڈھالا ہے وہ باخبر صاحب سے
 مخفی نہیں۔ آپ ہی کی ان تحک کو ششوں اور زبردست مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اردو
 کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ بفضلِ خدا اس میں بہتر قسم کا پاکیزہ لٹریچر پڑھنا ہے جس میں

روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ الہیات کے مسائل اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ کتب مقدسہ
 الہامیہ کے تراجم اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ حدیثوں کا مطلب اس میں بیان کیا جاتا ہے۔
 بزرگان دین کے ملفوظات اس میں ملے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین اس میں پائے جاتے
 ہیں۔ اصلاحی امور اس میں بتائے جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس میں تحریر کئے جاتے
 ہیں۔ ادبی خواہر و نیرے اس میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سائنس اور علمی مسئلے اس میں بلند
 کئے جاتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مفید و چسپ اور کارآمد معلومات کو نظم کا لباس پہنایا جاتا ہے
 یہ سب کچھ تو ہے مگر تحت الشری میں گری ہوئی اور بلا مبالغہ نجاست کے سمندر میں ڈوبی
 ہوئی ہماری شاعری کو پاک و مہربن کراعلیٰ درجہ کی بلندی تک پہنچانے کا سہرا کس کے سر پر؟
 اگر آپ ادیبوں کی ایک محفل میں یہ سوال کریں تو درود یوار تک سے ہی صدا آئیگی کہ ”حالی کے“
 ”حالی کے“

اخلاقی اور ناصحانہ نظم کا جقد و پیش بہا و خیرہ حالی نے یادگار چھوڑا ہے (اور جس سے قبل انہیں ہر
 نظم گویا بالکل تھی دست تھی) وہ ہمارے اس دعوے کی ایک نہر و ست اور روشن دلیل ہے۔
 نصیحت کی باتیں عموماً کڑوی۔ کیلی اور ناگوار طبع ہوا کرتی ہیں۔ دیکھ لو اس قسم کی کتابوں
 کو کتب فروشوں کی الماریوں میں کیڑے کہا رہے ہیں اور کوئی انہیں دیکھنے کو نہیں بوجھا۔
 اٹا ماشاء اللہ مگر حالی نے انہیں کڑوی باتوں کو ایسے مفرح اور لذیذ شہد میں تبدیل کر دیا کہ
 لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے اور یہی وجہ تھی کہ حالی کی نظم شہرت کے پر گنگا کراڑی اور دیکھتے
 دیکھتے سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ کوئی کچھ نہ رہا جس کی زبان پر حالی کے اشعار نہ
 ہوں۔ کوئی جان نہ رہا جس نے مرے لے لے کر حالی کی نظمیں نہ پڑھی ہوں۔ کوئی بوڑھا نہ رہا
 جس نے حالی کا کلام نہ سنا ہو۔ بیلے سازنگی تک پر وہ گایا گیا۔ حال و حال کی محفلوں میں وہ
 پڑھا گیا۔ میجر کے ممبروں پر وہ سنایا گیا۔ قومی جلسوں کی وہ زینت رہا۔ سیاسی اجتماعوں
 میں اسکا ذکر آ رہا۔ مذہبی تصانیف میں وہ نقل کیا گیا۔ طلباء کے کورس میں وہ داخل کیا گیا۔
 غرض ملک کے طول اور عرض میں جس ذوق و شوق اور کوچپی کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا گیا
 اور جنہی بے انتہا شہرت اُسے حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اخلاق۔ اصلاح معاشرت
 اور پند و موخات کے جو ٹکٹے ہوئے پھول اس ہمدرد قوم ناصح کے منہ سے جھڑے وہ دُنیا سے

شاعری میں اپنی مست و بیخود کرینے والی ہمارے فضا کے عالم کو ہمیشہ معطر کرتے رہیں گے۔
ایک دنیا اُن سے فیضیاب اور ایک عالم اُن سے مستفید ہوگا۔

حالی کے کلام کی شہرت صرف وطن ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نہایت جلدیورلاند کی زندگی ہی میں ہندوستان سے نکل کر سمندروں کو طے کرتی ہوئی وائس اور انگلستان تک پہنچ چکی تھی اور ادھر ہارڈوں کو جوہر کے افغانستان اور اُس سے گذر کر ایران تک کے پڑھنے والے اشخاص حالی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ خود اُن کے اپنے وطن میں متحد و زبانوں میں اکی لسانی اور اثر انگیز نظموں کے تراجم نہایت اہتمام اور نفاست کیساتھ شائع ہو چکے ہیں لکن تمام مطبوعہ کلام پر تفصیلی ریویو اور تبصرہ کرنے کی تو خود اُس زبان میں جس میں وہ کلام موجود ہے اب تک کسی کو توفیق نہیں ملی لیکن ہندی میں یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ اُن کی مشہور و معروف نظم ”بیوہ کی مناجات“ نہ معلوم کس درِ دل کے ساتھ اور کیسی نیک ساعت میں لکھی گئی تھی کہ اب تک دس سے زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور اُن کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ خود اردو میں اُن کے کلام کی مقبولیت اس درجہ بڑی ہے کہ غالباً کوئی کتب فروش نہیں جس نے حالی کی نظمیں فروخت کی ہوں اور کوئی مطبع نہیں جس نے حالی کا کچھ نہ کچھ کلام نہ چھاپا ہو۔ ایک ایک نظم اور ایک ایک کتاب کے بیسیوں ادیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اُن کی سمدس جتنی مرتبہ ملک کے مختلف مطابع سے چھپ کر شائع ہوئی وہ اس اثر اور جوش میں دوہری ہوئی عظیم النظیر نظم کی حد سے بڑی ہوئی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ اور سب سے وضع و طرح کے بہت سے نفیس اور خوبصورت ادیشن سمدس کے شائع ہو چکے ہیں اور ایک ایک وضع کا ادیشن دس دس اور پندرہ پندرہ مرتبہ شائع ہو کر دیکھتے دیکھتے ختم ہو چکا ہے۔ مطابع والوں نے اس کی بدولت سیکڑوں روپیے حاصل کئے اور کتب فروشوں نے اُس سے ہزاروں کمائے۔ وہ حالانکہ شائع ہونے میں تصنیف کی گئی تھی اور اُس کے بعد کی سیکڑوں تصانیع آج دنیا کو بالکل فراموش ہو چکی ہیں۔ لیکن سمدس کی اشاعت ہر دوری اور مقبولیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی وہ ہر کتب فروش کی دکان کی اسی طرح زینت ہے جیسے آج سے قبل گذشتہ چالیس برس کے زمانہ میں رہی ہے۔ بلکہ جوں جوں زمانہ گذرنا جاگیا یقین ہے کہ اُس کی اشاعت اور مقبولیت بڑھتی ہی جائیگی۔

مولانا نے ایام جوانی سے شعر کہنے شروع کئے اور آخر عمر تک کچھ نہ کچھ کہتے رہے۔ وہ تو تھا جو کچھ اور جہدِ داس سعدی ہند کے شعر کہنے لگا۔ بارہ چھپ کر شائع ہو رہا تھا۔ لیکن کلام کا نظم مجموعہ متفق اور پراگندہ حالت میں تھا اور سب ایک جگہ اکٹھا دستیاب نہ ہوتا تھا۔ کوئی نظم کہیں ملتی تھی اور کوئی نظم کہیں۔ اس کی کو سب سے پہلے خود مولانا نے محسوس کیا اور اسی وجہ سے آخری عمر میں مولانا کی شری خواہش یہی تھی کہ اپنی تمام کلیات نظم مرتب کر کے چھپوائیں جو ان تمام چھوٹی بڑی نظموں کا مکمل مجموعہ ہو جو شروع سے لیکر آخری وقت تک آپ کے قلم سے نکلیں اس خواہش کا ذکر مولانا نے ان متعدد خطوط میں بھی کیا ہے جو اس زمانہ میں آپ نے اپنے اعزہ و احباب کو لکھے ہیں اور جو اگرچہ مرتب ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک ان کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

اس خواہش کی تکمیل مولانا نے باوجود ضعف و نقاہت۔ پیرانہ سالی اور مختلف حواض و صدباتِ خانگی کے نہایت ہمت کے ساتھ اس طرح شروع کی کہ پہلے نہایت محنت اٹھا کر اپنا تمام پراگندہ فارسی اور عربی نظم و شعر کلام جمع کرنا شروع کیا اور شب و روز کی محنت شائد سے اس کو مکمل کر کے چھپنے کے لئے پہنچا دیا۔ مولانا کے انتقال سے صرف پانچ مہینے پہلے اگست ۱۹۱۲ء میں یہ مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ و حقیقت یہ ایسا مشکل اور اہم کام تھا کہ اگر خود مولانا اپنے ہاتھ سے اس تکمیل نہ کر جاتے تو بعد میں اسکا شائع ہونا نہایت محال اور قریب ناممکن کے تھا۔

مولانا کا ارادہ تھا کہ یہ مجموعہ اپنی اردو کلیات نظم کے آخر میں بطور ضمیمہ کے ملحق کریں اور وہ اسی لئے مولانا نے اس مجموعہ کا نام ضمیمہ کلیات نظم اردو رکھا تھا۔ لیکن اس کی عام طور پر شاعت نہیں ہوئی اور یہ ہنوز الماریوں میں بند پڑا ہے۔

ضمیمہ کے بعد اصل کتاب یعنی اردو کلیات نظم کی تدوین کا نبر تھا کہ اجل نے زیادہ مہلت نہ لینے دی اور افسوس کہ دسمبر ۱۹۱۲ء کی آخری رات نے مولانا کو جسے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۛ۔

مولانا کے بعد کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اور کام پہنچ کا پہنچ میں رہ گیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا کام تھا کہ اب سے بہت پہلے اسکا تکمیل کو پہنچ جانا ضروری تھا اور اپنی کلیات نظم شائع کرنے کی

میں دیکھ کر

وہ خواہش جو مولانا کے دل ہی میں رہی انہی وفات کے بعد نہایت جلد پوری ہو جانی چاہیے تھی۔
 لیکن اگرچہ ملک میں اہل علم حضرات اور لائق داعیوں کی کمی نہ تھی جو اسے یقیناً زیادہ بہتر حالت میں
 اور ہرسانی مرتب کر سکتے تھے۔ مگر مولانا کے انتقال کو آج نو برس ہو چکے لیکن افسوس اس طویل مدت میں کسی بزرگ
 خدا کو اسکا خیال پیدا نہ ہوا۔ اور ادھر کلام حالی کی قبولیت اور ہر دو تعزیری کا یہ عالم تھا کہ مولانا کی نظموں کی متفرق اور
 علیحدہ علیحدہ چھپکر کثرت اور بہت فروخت ہو رہی تھیں اور وقت بھی گیمیا تھا کہ حالی کا بہت سا کلام دریا
 انہیں آیام میں میں نے مولانا کا تمام غیر مطبوعہ اور اجنارات کے فائلوں میں منتشر شدہ
 کلام نہایت تلاش سے جمع کر کے گذشتہ سال جو اہر ات حالی کے نام سے شائع کیا۔ اسکی
 ترتیب سے فراغت کے بعد میں مولانا کی کلیات نظم مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوا کہ مولانا کی
 وہ آرزو پوری ہو جائے جس کی تکمیل کی خواہش افسوس ہے کہ مولانا اپنے ساتھ لے گئے۔
 اس کی ترتیب میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور الحمد للہ کہ میں نہایت قلیل مدت
 میں اس کی تکمیل سے فائدہ ہو گیا ثمرات سی جناب کے سامنے ہیں۔ اس کتاب سے اردو لٹریچر
 کی ایک متمم بالشان کمی پوری ہونے کے علاوہ شائقین کو حالی کی نظموں کی علیحدہ علیحدہ
 تلاش کی زحمت سے بھی نجات مل جائے گی۔ نیز نظموں کے متفرق اور علیحدہ علیحدہ فروخت
 ہونے کی وجہ سے کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جو بعض نظموں کے کیا یا یا صلیح ہو جانے کا اندیشہ
 ہے۔ تمام کے ایک مجموعہ میں مرتب ہو جانے سے وہ بھی رفع ہو جائے گا یہ بالکل واقعہ ہے
 کہ اگر ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اس کی طرف سے غفلت اور لا پرواہی برتی جاتی تو کچھ
 عرصہ اور گزر جانے پر اس کی ترتیب محال نہیں تو کم انکم دشوار ضرور ہو جاتی۔
 نظموں کے جمع اور فراہم کرنے میں میں نے تلاش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور یہی
 طرف سے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ یہ کتاب مولانا کی تمام اور کل نظموں کا جامع اور مکمل
 مجموعہ ہو۔ اگر شاید کوئی نظم چھوٹ گئی ہو اور کسی صاحب کے پاس ہو تو اسے میرے پاس بھیج دیں
 مع شکریہ کے دوسرے ادیشن میں شامل کر دی جاوے گی۔
 نظموں کی ترتیب میں نے صنف دار رکھی ہے، یعنی تمام اقلام کی نظموں علیحدہ علیحدہ مرتب
 کی ہیں۔ مثلاً تمام قطعات ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ تمام غزلیں ایک جگہ ہیں۔ تمام رباعیات
 علیحدہ ہیں۔ دقن علی ہذا۔ تمام کلیات کی چار جلدیں ہیں۔ ہر ایک جلد متحد و حصص پر منقسم ہے
 اور ایک حصہ میں تمام ایک ہی قسم کی نظموں ہیں۔ تدریج کتاب کے وقت یہی ترتیب کچھ ہلکی

علوم ہندی درجہ برییب کی ہیں اور صورتیں بھی وہن میں ہیں۔

کلیات کا مسودہ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ایک ایک شعر کا
مستند نسخوں سے مقابلہ کر لیا ہے تب لکھا ہے۔ کتاب کی کاپیاں مطبع سے آئیں تو ایک
چھوڑ تین تین مرتبہ ان کا بغور مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا۔ غرض حتی الامکان غلطی کا
امکان نہیں رہنے دیا۔ اسے کثیر "دہم" کے بعد بھی اگر پیش نظر صفحات میں کوئی ایک آدھ
غلطی رہ گئی ہو تو ناظرین سمجھ لیں کہ مزید احتیاط میرے اختیار سے باہر تھی۔
دیباچہ ختم ہو گیا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ خدا جن قبول روزی کرے اور
اس کو مدرس کی سی بلکہ اس سے بھی دھچند قبولیت نصیب ہو۔ از جملہ جاں آمین باد۔

خاکسار

محمد اسماعیل ازبانی پٹ

جنوری ۱۹۲۲ء



مُحَمَّدٌ كَافٍ بِصَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
رَسُوهُ لَدَى الْكَسْبِ

حصہ اول

قطعات

— — — — — (۱۰۰) — — — — —

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے	کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
”وگیکہ لو ان میں جتنے ہیں خط	کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے	وے پر نہیں چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے جتنے خط تھے بڑے	اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیش نظر	خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اٹھا کر آنکھ جدھر	تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہری یارو بات کہ تھی	قوم میں باقی جان و ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب	آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں	اُختل و اعشیٰ کے ہمتا

متیوں میں ایسے تھے بہت جن پہ لہ نازاں یعنی الشا
 شر میں تھے استاد اکثر سحر بیان اور نکتہ سرا
 لے گئی اُن کو آخر کار بحسب فنا کی فوج بہا
 اہل ہنس کا نام و نشان قوم میں جب باقی نہ رہا
 حالی و زید و عمر بنے صاحب دیوان نام خدا
 اب چاہو۔ استاد گنو یاہیں سبھو تم کیتا
 ہم ہیں وہی ناچیند۔ مگر گیت نا موٹ الگ بڑا

شر سے خطاب

لے شر و فریب ہو تو۔ تو غم نہیں پر تجھے چُف ہے۔ جو ہنودل گداز تو
 صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئیواپنی نہ باز تو
 جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
 حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہاں کو آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
 تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
 وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری قبلہ جواب اُور تو نہ کیجھو نسا ز تو
 اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
 ناک اُور پری دوا سے تری گر چڑھا لوں گے معذ ورجان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
 چُپ چاپ اپنی تیغ سے کئے جادلوں میں اوچھا بھی نہ کر علم امتسیار ز تو
 جونا بلد میں اُن کو بنا چور بن کے راہ گر چاہتا ہے خضر کی عمر وراز تو

۱۱ یعنی بڑے آدمیوں کی موت سے ہمیں بڑا کر دیا ۱۲

۱۳ بلد و اقصیٰ راہ اور نابلد ناداقت راہ ۱۲

عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہو چھپا
محمود جان آپ کو گرہے آیا نہ تو
اے شعر راہ راست پہ توجہ کہڑ لیا
اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہو فتح گرنی دُنیا تو نے نکل
بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہو سچ کی قدر۔ پہ بیدار ہو کے بعد
اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو
جو قدر دان ہو اپنا اُسے مفتسم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف
طبع رنگیں تھی مے عشق کی جیب مثالی
اپنی دوا دیتی جو عشق کا کرتے تھے بیان
جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سراسر حالی
اب۔ کہ الفت ہے نہ چاہت جوانی نہ آسنگ
سر ہو سوا ہے تھی عشق سے دل ہو خالی
گر غزل لکھتے تو کیا لکھتے غزل میں آخر
نہ رہی خیر وہ مضمون سو جھانے والی،
آپ بیتی نہ ہو جو۔ ہے وہ کہانی بے لطف
باں گر کیجئے کچھ عشق کا خیروں کے بیاں
گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی
کھینچئے وصل صنم کی کہیں نہ نصیب
لایئے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
تا کہ بھر کاے جوانوں کے دل آتش کی طرح
کیجئے درو جہانی کی کبھی نفتالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہونہ مثل
وہ ہوا۔ جس سے دماغ اپنا ہوا ہو خالی
”عجب چوں پیر شود پیشہ کُند و تالی“

نکتہ چینی

بانے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں
جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سب سے بلیغ
اسمیں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیکھئے
وہیجئے معنی کے نظم و نثر میں یا بہا
اور سخن کی واد ہر پر و جواں سے لیجئے

اور نہ ہو کر شعرواں کی ریامت پین شاعروں اور فنشیوں پر نکتہ چینی کیجئے

بے تمیزی اُبنائے زمان

از رہ فخر آ بگینہ سے یہ میرے نے کیا ہو وجود اسے بتل تیرا برابر اور عدم
جنس تیری کس میں اور قدر و قیمت تیری پیچ تیرے ہانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم
دے کے دھوکا تو اگر الماس بیچائے تو کیا امتحان کے وقت کھلے گا تاہو سب تیرا بھرم
سُکرا کر آ بگینہ نے یہ میرے سے کہا گو کہ بہتہ رتبہ ترا مجھ سے بڑا ہے محترم
مجھ میں اور تجھ میں مگر کرسکتے ہیں جو امتیاز ہیں تبصر لیے اس بازارِ ناپرساں میں کم
تیرے جو ہر گوہر نہیں موجود اپنی ذات میں تجھ سے لے الماس لیکن چھ پڑتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی توضیح

کہتے ہیں اکا امیر زادہ کو تھا خدنگ انگلی کا شوق کہیں
خصالتیں جو امیر زادوں میں لازمی ہیں۔ وہ اس میں بھی سبقتیں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنس کوئی اس پہ تھا خود پسند اور خود میں
کچھ نہ تھا۔ پر سمجھتا تھا سب کچھ علم تیر و کہاں ہیں اپنے تئیں
داد داسنتے سنتے یا روں کی ہو گیا تھا ہنس کا اپنے یفتیں
الغرض ایک روز صحرا میں جب کہ تھے ساتھ سب جلیس قرین
مشق تیرا فگنی میں تھا مصروف کر رہے تھے خوشامدی عتیں
آکے دیکھا جو اکا نظریں نے حال و حسرتیں ہوئی نہ ذہن نشین
تیر جتنے گمان سے چھوٹے پائے سب بے اصول بے آئین
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا تیر۔ آما جگہ کے کوئی مشرین

ایک جاتا تھا چھٹ کے سوتے شال ایک جاتا تھا چھٹ کے سوتے عین
 کچھ جو شوخی ظہین کو سوچی رکھ کے بالائے طاق سب تمکین
 خاک تو دے پہ جا کے ہو بیٹھا لوگ کرتے رہے چنان و چین
 ناوک اندازہ بولا چلا کر کوئی تجکو جنوں ہے اے مسکین
 یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جانِ حنین
 عرض کی ”چارہ کیا ہے اسکے سوا جیکہ جائے گریز ہو نہ کمین
 زد سے ان بے پناہ تیروں کی کہین جان دار کو امان نہیں
 مجھ کو ہر بھر کے مستش جت ہیں جنوں امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں“

موجودہ پولیٹیکل اسپین

اے نرم سفیرانِ دَول کے سخن آرا ہر خور و کلاں تیری فصاحتِ فہا ہے
 یہ سچ ہے کہ جادو ہی بیان میں کر لیکن کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگِ نیا ہے
 ظاہر ہے نہ غصہ میں بیاں سو تری بخش نہ لطف میں کچھ طرزِ بیاں اسے جدا ہے
 ہے دلیں نہاں ایک شکایات کا طومار اور لب پہ جو دیکھ تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
 جو صلح کی باتیں ہیں ہیں شہرِ شیریں اور جنگ میں کچھ لطفِ سخن اس سے بولا ہے
 گر سوچئے تو سیکڑوں پہلو ہیں مفرز کے اور سنئے تو زنجیروں سے ہر قولِ نیا ہے
 دل کی تری ہوتی نہیں معلوم کوئی بات گونگا نہیں گویا نہیں کیا جانیے کیا ہے
 کھلتا نہیں کچھ اسکے سوا ترے بیاں سے اک مرغ ہو خوش آجہ کہ کچھ بول رہا ہے
 تھے لب پئے اظہار پہ اب آکے کھلایہ انسان کو اخلا کے لئے نطقِ بلا ہے

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نامنصف و بے رحم تھا ایک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالائقی بہت جسکے رعیت

جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہ شرارت
وہین پر گنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا؟

کہتے ہیں ہماری وہ سائنس کہ مذمت؟
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بد آواز

جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
کاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے

ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو۔ تاکہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری

آواز فروش آئینہ دیات بل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا ”زینت و اسباب پہ لوگ اترتے ہیں۔ اگلے لمحے وہ نہیں بھاتے“
حالی نے کہا ”جن کو ہوا اترنے سے نفرت اترے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے“

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں بعض کے نزدیک تو حمید اسکی حد تام ہے

ہے کہ جہو سے نزدیک یہ مردود قول جو میں قائل اس کے ان پر کفر کا الزام ہے
 کیونکہ اسے ماننا پڑتا ہے اس حمت کو عام جس سے غیر از اہل قبلہ جو سچے وہ ناکام ہے
 بعض کہتے ہیں کہ شریعتی سب میں ہیں بن سلمان و دین اری اسی کا نام ہے
 پر یہ حد بھی جامع مانع نہیں عند الفحول کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
 ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ اور سب کا لفظ یا را عینا سب کو عام ہے
 بعض کہتے ہیں شمار اسلاموں کا ہی لباس جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
 بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ مھر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
 مذہب منظور ہو لیکن بیان کرنا ضرور جو مسلم آج کل نزدیک خاص عام ہے
 اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر سید احمد خاں کو کافر جانا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج - قرض لے کے اک نیدا چلا بہ نیت حج - گھر سے سوئے بیت اللہ
 کہا یہ اس سے اک آزاد نے کہ اسی حضرت کیا ہے آپ پہ شائع نے جبر یا اکراہ؟
 کہ قرض لے کے چلے ہیں حضور سو حجاز وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
 نہ نان و نفقہ فرزند و زن سے خاطر جمع نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
 سنایہ - اور بہت ترش ہو کے فرمایا کہ ”روکتا ہے مسلمان کو حج سی اسی گمراہ
 وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے نگیں خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
 خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میمانوں کی؟ ہو سکتے جو کہ ہیں طے کر کے ہر دو بھر کی راہ
 جنہیں فراغت و تنگی میں ہو اسی سی امید جنہیں سلامت و آفت میں اسی کی پناہ

لے اقوال مختلفہ میں سے جو قول راجح ہوا اس کو ”مذہب منظور“ کہتے ہیں ۱۲ حالی

دوسرے بولالہ "ماخوذہ میماؤن کو
 ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں
 یس کے شیخ نے دیکھا اِدھر اِدھر کہیں
 بلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا
 قدم ہو پختے جانتک پہنختہ کاروں کے
 خدا کے حکم ہیں مبنی متام حکمت پر
 ناز و روزہ ہو۔ یا ہو طواف و عمرہ و حج
 اسی طرح یہ دیکھ لے معاش کے ہر کام
 مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ
 یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار
 امید لطف کی رکشی ہو میزبان سے گناہ
 طفیلیوں کی نہیں عورتوں میں عزت جاہ
 ہومدی نہ تجسس میں یان کوئی ہمراہ
 ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
 جو آن خام کی دانٹک نہیں ہو پختی نگاہ
 فتوح جنہیں ہو دنیا و دین کی خاطر خواہ
 حصول جیسے کہ ہوتا ہے اُن سے قریب
 نہ جنہیں چاہیے محنت نہ کوشش جانگاہ
 ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لوح تباہ
 و گرنہ علم معیشت وسیع ہے دانش

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ حاصل ہو آزادی جنہیں
 قدردان اُن سے بہت بڑھکر میں آزادی کے ہم
 ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
 قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہوا اتنی ہے کم
 عافیت کی قدر ہوتی ہے معیبت میں سوا
 بینوا کو ہے زیادہ قدر دینا و دردم
 تعرف الاشیاء بالا صدقہ ہے قول حکیم
 دیکھا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
 یعنی ہر ایک چیز اپنی منزل سے پہچانی جاتی ہے ۱۲

سن کے اک آزاد نے یہ لاف پچکے سے کہا
 ”ہے شقرر۔ موری کے کیرے کے لئے باغ ارم“

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی؛

کہتے ہیں ”آزاد ہو جانا ہو جب لیتا ہو سانس
 یاں غلام آکر۔ کرامت ہو یہ انگلستان کی
 اسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں دکھا قدم

اور کٹنگر یا نوں سو ایک اک کے بیری گر پڑی“
 قلبِ ہیت میں انگلستان ہو گر کینیا۔ کم نہیں کچھ قلبِ ہیت میں ہندوستان بھی
 آں کر آزادیان۔ آزاد رہ سکتا نہیں۔ وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جنگو لگی

سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ
 کس لئے سید سے صاف ای حضرت الانہیں؟
 کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھیراتے ہیں آپ
 ثابت اسلام اسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
 آپ بھی (نام خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ
 اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
 خود نبوت پر سنے ہیں ہم نے ایراد آپ کے

۱۵ یعنی ج طرح موری کے کیرے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔
 اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲۔

اور الوہیت سے بھی دل جمیع حضرت کا نہیں

چشم بد و رآپ کا بھی جب کہ ہے مشرب و سبج

پھر یہ سید پر تیرا آپ کو زیبا نہیں

سُج کے فرمایا ”اگر ہو پوچھتے انصاف سے بات یہ ہے۔ سن لو صاحب تم سو کچھ پر دہنیر
برج کچھ اسکا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہی کیوں؟ بلکہ ساری کوفت ہو اسکی کہ میں ایسا نہیں“

فقط اہل اللہ

کُل خانقاہ میں تھی حالت عجیبی جو تھا سو چشم پر نہم۔ اپنا تھا یا پرایا
دُنیا سے اٹھ گئے سب تھے مریدِ حق یہ کہ کے شیخ کا دل بیاض نہ بھر آیا
ہننے کہا ”مریدی باقی رہی نہ پیری“ یہ کہ کے ہم بھی فئے اور اُسکو بھی لایا

نو کروں پر سخت گیری کرنے کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نو کروں پر سخت گیر
در گذر تھی اور نہ ساتھ اُسکے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف

کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں

حسنِ خدمت پر اِصنافِ بیاصلہ تو درکنار
ذکر کیا نکلے جو پھوٹے مُنہ سے اُسکے آفریں

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جیسا سے دوچار

نتھتے پھولے۔ مُنہ چڑھا۔ ماتھے پہ لال۔ ابرو پہ چہیں

تھی نہ جزِ تنخواہ نو کر کے لئے کوئی مستوج

آہکے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک اک شر الٹا نامہ ہر نوکر کے پاس

فرض جمیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار

زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبسیں
حکم ہوتا تھا ”شہر ایط نامہ“ دکھلاؤ ہمیں

تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
وال سوانتخواد کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار

تمہیں کریں جتنی وہ ساری نوکر دیکھے ذمہ نہیں
دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب

تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستین
ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار

تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازنین
دفعۂ قابو سے باہر ہو کے بھاگا سا ہوا

اور گرا اسوار صدرِ زمین سے بالائے زمینی
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پانوں سے لیکن بکاب

کی نظر سائیس کی جانب۔ کہ ہوا کر معین
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا

دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا العین
دور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا

”دیکھ لو سرکار! میں شرط یہ لکھی نہیں“

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہو
وہ نیشن کہتے ہیں اس پھیٹر کو بھی
زبان اس کی نہ ہو معنوم اس کو
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو
اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
زبان جسکی ہو ایک و نسل و مذہب
ہیں جو اسے میں اپنی مذہب
کہ جس میں وحدت مفقود ہوں سب
ہوں آدم تک جدا سب کے جدا
تو لاکھوں اس کے ہوں مہود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں میلا کچھلا اک غلام
عرض کی ایک اک داں ہو چن چن کا بلکیر
جو بہن آزاد اور صفائی کا نہیں کتھے خیال
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
اسکے پیلے پن پہ لوگوں نے ملامت اسکو کی
اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے ہی
عذر پیلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں ہی
کوئی چیز اس کی نہیں سب ہوا انت گورگی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا از پرہ نصاف
چند اہل زباں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہوا اہل زباں سے
معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا
اردو کے دہنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں ٹسے
”کرتے ہیں اپنی اہل زباں اسکے سخن کو“
بولے کہ ”ہیں جانتے تم شعر کے فن کو
ہو چھو نہ گئی غیر زباں اس کے دہن کو
اردو سے بھلا واسطہ ہا حضرت وطن کو
پنجاب کو اس سے نہ پورب نہ دکن کو

قبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے
حالی کی زبان گربل نہ لب لبو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ
مانا کہ ہے بیباختہ بن اسکے بیان میں
یہ دوست نے حالی کے سنی جبکہ نقلی
کچھ شعر تھے یا وان کے پڑھے اور یہ پوچھا
سچ یہ ہے کہ جب شعر میں سرکار کے آئے
حالی کو تو بدنام کیا اس کے وطن نے

کیا عالم گلشن کی خبر زراغ و زغن کو
خالص نہ تو کیجئے کیا لے کے لب لبو کو
پونچے گا نہ وہ نافہ آہوے ختن کو
کیا پھونکے اس ساختہ بیباختہ بن کو
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
”کیوں صاحبو! عزت اسی اردو سے ہون کو؟“
کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو“

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم ب
سنگدل باپ سے گود سے لیکر ان کی
رسم اب بھی یہی دنیا میں ہو جا رہی لیکن
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں یہ بیوہ
ایسے گھر یا ہے بیٹی کو جو ہو آسودہ
جانے پہچانے ہوں سمہ عیانہ کے سار زن و
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھر لے آباد
جیتے جی مر گئی بس ان کی طرف سے گویا
چنان بن اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو
بد مزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بد چلنی

کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا و دختر
گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کر
جو کہ اندھے ہیں ہٹے کے نہیں کچھ انکو خبر
سب سے اول انہیں ہوتا ہے یہ منظور نظر
اور یہ دھڑ سے جو ذات میں ہو افضل تر
ان کے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر
دونوں نزدیک قرابت میں ہو باہد یک
جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا سیاہ اگر
پر نہیں دیکھتا سیاہ کوئی کہ کیسا ہو بڑ
کچھ بُرائی نہیں۔ ڈھونڈتا ہو داماد اگر

وہ یہی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن بکریاں بھیڑوں سے پاتی ہیں موند اکثر
 جاہلیت میں ترقی اک یہی آفت کو ہا گاڑ دیا جاتی تھی جس خاک میں تنہا د ختر
 ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی زندہ درگور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
 اپنا اور بیٹیوں کا جیکہ نہ سوچیں اجسام جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
 برسوں بہ تلاش میں وجہ معاش کی
 وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
 لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
 اجبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
 تدبیر یہ بھی اُس کی نہ تقدیر سے چلی
 روزی کی خاطر اُس نے کئے سیکڑوں جتن
 پر کی کہیں نصیب اُس کے نہ یا روزی
 راہ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
 اک خضر پے غصہ نے کی اس کے رہبری
 جھک کر کہا یہ کان میں اُسکے کہ آج کل
 سُنا ہوں چھپ رہی ہے تصانیف احمدی
 جا۔ اور لفظ لفظ کو اس کے چھیڑ کر
 تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بری بھلی
 پھر دیکھنا کہ اس وچپ و گرو پیش سے

لگتی ہے کیسی اس کے زردوسیم کی بھڑی

دنیا طلب کو چاہئے ابلہ فریب ہو
دنیا پہ جب تک کہ مُسلط ہے اہلی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اوی خدا پرست
دل میں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گزرنے میں سو سے
ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دعا
بجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست
جبکہ یقین ہے تیری یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا ہوں سے مرادین ہے عمر بھر
گو حاجت اس کی اُن سے ہوئی ہے نہ ہوا
آتا نہیں یقین میں اس کے کبھی قصور
امید اسکی روزفروں ہے اور البقا
تو بندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا ہے
وہ ہے کہ یہ ہے بندگی ۹ اسے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر۔ گرہے گداگری کا یہ
جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل کتاب۔ ہوئے سب مستفید
ذک ملے۔ یا نزل ملے۔ درس ملے۔ اور ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ

اٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ اگر غور کیجئے
ہے حق میں سب کے دوست دشمن معین تر
اول تو سوچتا ہی نہیں عیب دوست کو
اور سوچتا ہے تو نہیں لانا زبان پر

پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
 دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست
 اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بد رگال
 سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
 منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
 رکھتا ہے جو کہ دوست کی عیب اُس سے مستر
 گو قول ہے متین پہ جو حق سخن کی تہ
 دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں تنفید
 اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب
 جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں
 افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر
 عیب انکے دوست کیوں جتائینگے بے خطر
 وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
 موقوف عبرت انکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے موعظ ساز بھی دُنیا میں عجب چیز
 موجود سخنگو ہوں جاں اُن میں طیب آپ
 دونوں میں کوئی نہ تو آپ ہیں سب کچھ
 پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
 اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخنگو
 پر ہیج میں جس وقت کہ موجود ہوں دُنو

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت کہا
 گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے
 ہنس کے عادت کہا کیا عقل ہے مجھ کو؟
 میں ہی بخجائی ہوں نادان فہم عقل و رائے

شر کو سلطنت میں دخل دینا

سنتے ہیں یہ اک مدبر کی ہوائے
 چاہیے گر رونقِ علم زباں

شاعروں کو سلطنت کا کیجے رکن جبہ اسکی سب کانیں ہیں عیان
 رائے صاحب ہی بظاہر اور متین گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
 شعروائشاکو تو ہو شاید فرغ ہے بہت کم برخلاف اسکے گمان
 سلطنت کا پر خدا حافظ ہی۔ جب شاعروں کے ہاتھ ہو اسکی عثمان
 اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے شعروائشاکو بھی ہے خوفِ زیان
 ایک پرائمیں سے چل سکتا نہیں دوسرے کا جادو کے حُسن بیان
 ایک جب چلنے نہ دیکھا ایک کی پھر ترقی شعروائشاک کی کہاں؟

لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُسکے

عیب مگر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنون حالی

اس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گزار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں

گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار

پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج اُن کو کمال

گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار

اور جو ہو گوشِ زد اُن کے کوئی خوبی اپنی

خوش تو ہوتی ہے بنانی اُنھیں صبرِ ناپاچار

دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے

کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہر

رشدِ احمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا

نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگوں کا برتاؤ وسائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جیب ال
 مدت تک اسکی جیب یہی دیکھی گئی روش
 بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار
 پہلے جو بھاگوں ان سے ملتی تھی روز بھیک
 پر جبکہ ہو سوال کا اس قوم پر مدار
 امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
 آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند
 نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ
 انگریز اگرچہ ہندوؤں کے حق میں نہیں
 پر جو کہ دیسیوں میں میں تسلیم یافتہ
 انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
 اہل غرض یہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ

انگریز کے سوانہ کسی سے تھا مانگتا
 پوچھا کسی نے اُس سے کہ اسکا سبب کیا
 چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
 آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
 رست سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹسکا
 گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ
 کی آفرین اور اُس سے مخاطب یوں کہا
 حق میں ترے مفید ہیں یہ اُن سے بھی دوا
 اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
 دل بھائیوں پہ بھی نہیں اُن کا پسیتا
 جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
 شایستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چھٹا

اسراف

ایک سرف نے یہ نمیک سو کہا
 تو جوئوں رکھا ہو دولت جو جوڑ
 ہنکے نمیک نے کہا اُمی مادیح
 آج ہی گویا نصیب دشمنان

کب تک لے نادان یہ چہ پتال و زر
 ہے سدا دنیا ہی میں رہنا اگر؟
 زر لٹا زار آنگان اور اس قدر ہے
 آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکرِ کرشمہ کا ادا جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیکنام
ہونا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھ کو خوفِ خدا کا ہو اس قدر جتنا کہ خوفِ طغیہ دشمنِ خاصِ عام

غزور نیکنامی

گئی ہے حد سے گزری شیخ کی نگو نامی گمان بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُسکے عیبِ مہم سے بیان کرے کوئی خود اُسکو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا ٹیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا دو ہمسرا پیدل - مگر پہلا سوار باہوار
تھے رسولِ سرچن کی کوٹھی کی طرف نور و راہ میں دونوں کے ہونے کو کچھ بہت مشت
خندیدہ پہونچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
آخر ش کوٹھی پہ پہونچ جا کے دو پیش دپس ڈاکر نے اُسکے دونوں کی سنی جیب سے گزشت
دی سدا گورے کو کچھ تھی جیسے تصدیقِ حق یعنی اک کالا نہ جن گورے کے ہتھ سے مرے
اور کما کالے سے ”تکمل نہیں سکتی سند“ کیونکہ بیمار ہی کی رخصت کے تھو دونوں خلتنگا
کو کھ میں کالے کی اک مٹکا دیا گورے نے مار آگے گھوڑے سے لیا سائیس لے اُسکو اتار
چوٹ کے صبر سے عیش کالے کو آیا چند بار ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
تہ کو جا پہونچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار اور یہ لکھا تھا کہ ”سائل ہو بہت زار و نزار
کہ نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار“ کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر حساب انداز

ایک کالابٹ کے جو گیسے ہو فوراً مر جائے اُسے بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار؟

خود ستائی

ایدل! بشر وہ کون ہے جو خود ستا نہیں؟
 جو زیورِ خرد سے مقرر ہیں سادہ لوح
 جو ان سے تیز ہوش ہیں سوسو طرح سے وہ
 کتاب ہے ایک کیسی حاققت ہوئی ہے آج
 کتاب ہے دوسرا کہ گیا ہو کے شغفل
 پردہ میں زیر کی کے چھپاتا ہے بخل یہ
 کچھ۔ اس لئے کہ ہم بھی انہیں میں ہوں شمار
 کچھ۔ اس لئے کہ اپنا ہوا صاف آشکار
 کتاب ہے ایک۔ لاکھ نہ اس لئے بُرا کوئی
 کتاب ہے ایک۔ گر ہے خوشامد کا اور ہی
 دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ
 چپ چاپ سن رہا ہو کوئی اپنی خوبیاں
 کتاب ہے اس پر کوئی کہ سب حسنِ ظن ہو یہ
 قانع ہے وہ انہیں پہ۔ ہوئے وصفِ جمیل
 کتاب ہے زید۔ عمرو ہے شدت سے سادہ لوح
 کتاب ہے عمرو۔ زید بھی کتاب ہے عیب میں
 یہ اس کا اور وہ اس کا بیان کے کوئی عیب
 غیبت۔ امید ہے کہ نہ ہوئی جہان میں
 پر۔ خود ستائیوں کے ہیں عنوانِ جدا جدا
 کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا
 پر دلوں میں کرتے ہیں اسی مصنون کو ادا
 کبھی تھا ایک گھر میں سوسائل کو دیدیا
 سائل کی ڈب میں سینے دیا مال جب دکھا
 اور بن کے بوقوف جتا ہے وہ سخا
 اہلِ وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
 کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا تجبا
 ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
 پڑچاتے آدمی کو ہیں کہ کہہ کے ہم بُرا
 اور منہ سے دُرُود کہہ کے دکھاتا ہے وصفا
 یعنی کہ یہ بیان ہے سب است اور بجا
 اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
 اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا
 گستا ہے سب کو نیک وہ۔ اچھا ہو یا بُرا
 بد ہو کہ نیک۔ اسکی زباں سے نہیں بجا
 ہر اک ہو اپنی اپنی بڑائی نکالتا
 ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا

حالی جو پترے کو لے رہا ہے میں جہان کے شاید کہ اس سے آپ کا ہو گا یہ دعویٰ
یعنی کہ لاکھ پروں میں چھپائے عیب اپنی نظر سے وہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جس کو دیکھتے جاہل ہو یا حکیم آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دوں ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حملہ پہ اس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبھکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اس میں نخل اتنا بد نما نہیں جتنا

اسراف

حالی سے کہا جتنے کہ ہو اس کا سبب کیا جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے۔ پر نخل سے کمتر ہو جس سے کہ انسان کو باطنی عداوت
حالی نے کہا روکے نہ پوچھو سبب اسکا یاروں کے لئے ہو یہ بیاں موجب رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اسوقت جب قوم میں فراطسوی تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر پھر اس میں نہیں نخل سے بدتر کوئی حصلت
اور اب کہ نہ دولت ہو نہ ثروت ہو اقبال گھر گھر یہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب تم کو ایسی پروانگی ہو چوہنٹوں کو جیسے ہدایت

روسائے عہد کی فیاضی

کی رئیسِ شہر کی تعریف یاروں نے بہت

برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا

بولے ”آج اُس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر

عالمانِ شہر مدعو اس کے رہتے ہیں سدا

ضلع کے حکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیے

پھر کوئی دیکھے سخاوت اُس کی اور بذلِ عطا

یا دو گاریں جتنی ہیں اعیانِ دولت کی نہیں

انہیں صرف اس کی رقم ہے سب کے چن۔ سو سوا

پالکی یا وگنیٹ ہے جو سواری اُس کے پاس

اہلکاروں کے لئے ہر وقت بے چون و چرا

کیا کلکٹر کیا کسٹریا سپاہی کیا عیش

اُس کی ہمت کے ہیں سب مداح بے رُو ویریا“

جب یہ دیکھا مدح کا دست نہیں ہوتا تمام

جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے بصیرت کہا

غیب بھی اُس کا کوئی آخر نہ کرو یا رویاں

سننے سننے خوبیاں جی اپنا اُٹلانے لگا“

ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو کی تعریف کہا "فقیر اقرار باللساں ہے ضرور
تو دی چراغ سے اسکو آہ کتاب مثال جہاں ہوا آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندول کی تیل ہین ضرور فقیر کا جس میں استعمال"

برکت اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنیں ملاپ دولت و بخت ہی ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انہیں حاجت اعوان نہ تلاش الضار نہ انہیں خوف باندیش نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یک جہتی اُسکی دُنیا سے یہ سمجھو کہ کئی عزت و جاہ
نہ ملاؤ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فضیل نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملانے سنا جب یہ سخن سنایا "تکلیہ اور اس قدر اسباب یہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور اتفاق اصل میں کچھ چیز نہیں دست قدرت کے ہر سب ہاتھ سفید و سیاہ
واں نہ نکت کی ضرورت ہی نہ کچھ پھوٹ کا ڈر پڑ گئی فضل کی مولا کے جاہر ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دس ساتھ اگر کر دیں افراد پر آگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہی جھوٹ کے ہمراہ

بعد صوری مانع قرب معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر

لے لیا کر دین آمل جو باقی رہتی کے بھی حل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان یا

کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲۔

جا اپنے محلہ سے کہیں دور بنایا
 جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
 دل درجہ جدائی سے عزیزوں کا بھرا یا
 ہمسایہ واجباب لگے کرنے سب افسوس
 اک دوست شکایت سے سخن لب پہ پہ لایا
 ”بتی۔ کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر
 اتنی بھی محبت تمہیں گھر سے نہیں آ یا ؟“
 حالی نے کہا ”اُس ہے چیز اور۔ وفا اور

بتی نے مزا پھل کا وفا کے نہیں پایا
 اُس مہر وفا کی نہیں بتی پہ بڑی چھینٹ
 کہنے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
 ہم غش ہیں کینوں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی
 گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھولایا
 گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر۔ گھر ہے براہ
 مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا“

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی
 کہتے رہیں اگر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
 ہوتا رہوں گا پسند سے حضرت کی بہرہ ور
 لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
 صحبت میں بیٹھنے سے کہیں گے تیری حذر
 اور جن سے ہی امید نصیحت وہ بالیقین

خادمِ آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں؟

کہتے ہیں خادمِ ماموں کے بہت گستاخ تھے ایک ن خادم کی گستاخی پر ماموں نے کہا
 ”کوئی آقا جیکہ خوش اخلاق ہوتا ہی بہت پیش خدمت اسکے باخلاق ہوتے ہیں سدا“
 پر۔ جہرِ سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم ہر دلیل اسکی کہ ہر خود خلق آقا کا بُرا
 کھو دیا ہیبت کو اپنی ہنس نے اور تمکین کو اُس نے گویا ڈھاپا یا رکنِ رکینِ اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

مُتوکل کا تیر چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
 ابنِ حمدوں ندیم تھا حاضر کی خلیفہ کی طرح اور یہ کہا
 ”جن کو خلق خدا شہقت ہو خوں بہانا نہیں نہ رکھتے سدا
 جانہ سکتی تھی تیج کو تیرے نہ تو نے دی قصداً اسکی جان بچا“
 ابنِ حمدوں نے کی یہ انائی کہ خوشامد سے یوں سے تھکا
 دُور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے ہو کے اپنی خطا سے کھیا نا
 جائے کہ خشک ابنِ حمدوں پر تیر کا اپنے امتحاں کرتا
 ابنِ حمدوں کی جان گوجاتی دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نا اہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا۔ مصر لگا ہاتھ جب اسکے فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
 وہ خطہ ملعون تھا ہی جس کی بدولت تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سما یا
 میں بھی اُسے اُن غی طاعنی کے علی الرغم اک بندہ بقیہ کو بخشوں کا خدایا

کہتے ہیں حسیب ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے
 باڑھی گئی تہ ایک برس نیل کی لہریں
 فرمایا کہ "رہوئی کی جگہ بونے اگر اُون
 ہارون نے سمجھا کہ رویت ہے خدا کی
 فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
 محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
 اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا
 اک سفلہ ناکس کی بنا اُس کو رعایا

ریشک

ظاہر مردوں کی طبیعت میں نہیں ریشک اس قدر
 ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزین
 ایک شہزادی کہ اکلوتی تھی جواں باپ کی
 تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدر سند نشین
 سلطنت میں اُسکی۔ تمام مردوں کو کئی اختیار
 عورتیں اصلاً دخیل اُس کی حکومت میں تھیں
 مرد ہی تھے اُسکے محرم۔ مرد ہی اُس کے مشیر
 تھا نہ عورت کا پست دربار میں اُسکے کہیں
 تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
 ہنس کے فرمایا کہ "اسے دولت کے ارکان کہیں
 مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس ہیں
 بلکہ ہے اُنس اسلئے تم سے کہ تم عورت نہیں"

بات کی۔ حسن بیان سے اس نے دی صورت بدل
 تاکہ کوئی سوزن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
 ورنہ یوں کہتی کہ ”ہے عورت کی سیرت سے مجھ
 اس لئے نفرت کہ جو مردوں کی صورت و نشین“

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انسان پر جو فرض
 پر جو بیج پڑھو۔ نہیں قانون میں
 اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
 پر اسے دیتے ہیں توڑاک ان میں
 حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
 ماننا قانون کا بعد از خدا
 جان کچھ مگر ہی کے جالے سے سوا
 اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
 جو سکتا رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
 اور تھیں زور مندوں کی ہے لا

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شانزادہ اٹھارہ سال کا ہو
 قانون ہے بنایا یہ ان متقنوں نے
 لیکن کہیں نہ اس کی قبل از بلوغ شادی
 نزدیک ان کے گویا بزرگ عقل و دانش
 تخت پر یہ اسکو ممنوع ہو بٹھانا
 عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
 کہتے ہیں وہ عبث ہو قانون یہ بنانا
 ہے گنگا پم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

انہائے دغظ میں ہے تکیہ کلام و اعط
 گویا کہ حرص اسکی اس سے بچتی نہیں ہے
 ”قدرِ قلیل ہے سب مال و منال دنیا“
 ہے جقدر فراہم پاس اس کے مال دنیا

اُمرا اور عطار

جائے ہیں اگر پاس امیروں کے خرمندہ وہ جانتے ہیں جو کہ ہر جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں ملتے عقلا سے نہیں جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطباء بیمار کو کچھ اس سے سوا ان کی ہر حاجت

عصمت بی بی ازبے چادری

اسے بیواؤ! سنتے ہو کیا نعموں پہ تم اخلاق میں کچھ ان کے اگر آگیا بگاڑ
تم زو سے نفس کی ہو جھیپہ نک پئے ہوئے ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش گر تم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو اُجاڑ

بیچ کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
بیچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
بیچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہوا انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر پھوپنا

ٹھوٹ کا ریگر سے جیب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اور اوروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقت باز پرس

اپنے ماتحتوں کے سرِ پے میں ٹھپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں اہم کے جو لوگ تمھاری ہر دم اسے اربابِ دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک نہیں اُنہیں سے تم میں ایک خصالت

تدبیر قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح وہاں پاؤں جانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقلِ خلاف اُسکے تھی یہ مشورہ دیتی یہ حرفِ سبک بھول کے مُنہ سے نہ نکالو
پر۔ راے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن جو بات سبک ہو اُسے مُنہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر مردوں کی حکومت میں ہو ملکوں کی برکت
لیکن خلاف اُسکے ہو عورت کا جہاں راج وہاں ملک ہو سرسبز اور آباد و رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار قبضہ میں ہو وہاں عورتوں کی دولت و مکنت
اور سر پر ہے عورت کے جہاں انسرِ شاہی سمجھو کہ ہر اس ملک میں مردوں کی حکومت

مغزور کی پہچان

غزورِ زید کی کرتا ہو گرشکایتِ عمرو تو سمجھو کہ تاجہ اپنے غزور کا اظہار

جنوں آپ کو سب سمجھ لیا ہے بڑا بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے اس نے کی تاخیر اس نے جس قدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھنا کوئی نہیں بلکہ میں یہ دیکھتے ہو کچھ کیا کیسا کیا؟

گدا کے مہم

ایک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہیں

آن نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا ادھر
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس ہم وہیں

جی میں آیا پھیر کر قائل برہمن کو کرے
تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرگیں

مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
بانوا بولا کہ ہے ”تو بھی عجب کوتاہ ہیں“

مورتی کچھ سمجھ کر دے گی اور نہ دے سکتی ہو وہ
ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نے کیں“

ہنس کے برہمن نے کہا ”ہے مانگنا بندہ کا کام
دے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہیں اپڑتیں

ہم نہیں دیتے ڈھکی تم جیسے ڈھیلوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پانوں پھیلاتے نہیں“

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہر گز
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
جو ٹھہرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
اگر بل پڑے چوسہ اور گنجنہ پر
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو حبا نو
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی
جو کھانا تو سجد چوینا تو آتش گشت

ذرا وصف اپنے سُنو کان دھر کے
جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدھر کے
تو جھج اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
کہ بس ٹھن گئے غم جنگ تتر کے
تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
کہ چھوڑیں گے اب آپ دونوں کو بھر کے
ریں پاؤں کے ہوش سپیش سر کے
غرض یہ کہ سرکار میں پیٹ بھر کے

طیب اپنے پیاروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے؟

بشر کے صدر سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال
یہ صدر مگر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طیب لال
وہ جانتے ہیں کہ قلب جائیگی خطا ہم پر

کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صفا و کبار
تو اور بھی اُسے دیتا ہے الفعال فشار
جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بہا
کیا ملال کا اپنے گرا اس جگہ اظہار

یعنی پیٹ بھر کے احمق۔ احمق کا انتہا اکثر اس مقام پر خدشہ کرتے ہیں گویا نجانا طب کے سوا

کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲

اپنی ایک ایک غیبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر
کرتا ہے بار بار بیان اسکو بر ملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے
ہر بار اپنی طرح کا پیرایہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد
یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پر انسان کو چاہیے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہوا اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرسے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدا، اسی ظریف
جہاں سے ہو گئے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک کو ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش
سنجی ہو اس میں کہ مُنہ کا غریب ہے کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند
کہ جبکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ نہ نظیر
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذرا اسکا
درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر
کہما فقیر نے وہ گو اپنی یہ نہیں عادت
کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعر
پہ لوں گا آپس میں پانچ کم سے کم دینار
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال ناپید
یہی آٹے تلے رہے تو آپ کو بھی
ہماری طرح سے ہونا ہے ایک نذر فقیر
سو وقت ہی رہی لینے کا خود بدولت سے
دکھائے دیکھے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث سے
جو چلا آتا ہے باہم اہل مذاہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف؟

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب زیادہ مودا فات ہے

دل پر جو کیفیتیں ہیں ناگوار	دو ہیں انہیں سے نہایت جاگزا
ایک فکر اس آنے والے وقت کی	شک نہیں ہے جبکہ آنے میں فرا
دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی	رُخم جن کا زخیم ہے تلوار کا
اور بھی حیوانِ ناطق کے لئے	ہیں بہت سی رحمتیں انکے سوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب	رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سوا
کیسا ان آلام سے رہتا پخت	اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا؟

چنڈ و بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈ و کے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام؟

بولا ”انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام

آنکھ میں اپنے پرانے کی ٹھہرنا بیت در
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام

جس سے عقبتی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی بیج
جس سے دنیا میں ہونا نام ایسا نہ کرنا کوئی کام

ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا

نفس سرکش کے گمراہی میں ہے اپنی زنا مں
کہا ناصح نے کہ ”انجسام ہو معلوم اگر

لے نہ اس زہرِ ہلاہل کا کوئی مَبُول کے نام
یہ تو کہتے ہو کہ انجسام بُرا ہے۔ لیکن

یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجسام؟
بُڑے انجسام کی تب ہوگی حقیقت روشن

بُڑے انجسام سے جب آس کے ٹپے گا خود کام
مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم

گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب بچتہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھائون نکتہ چین
”پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہیں۔ نفع پہونچے اپنے اہل ملک کو
گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چا کو نہ لیں
اُس کا ہو بیچارہ ہندی نیچے والا اگر

خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انھیں
اُن کو لسن دن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر

الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہیں دین وایاں اپنا۔ قصہ مختصر“

اُس کے حالی نے کہا - "ہے خضر انگیزوں پہ کیا
 ایک سے ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
 ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
 یہ وہ نضلت ہے کہ مجبُول اس پہ ہے طبع بشر
 کھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاس قوم میں
 اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
 ہاں - بری اس عیب کے دیکھے اس دُنیا میں ہو
 چشمِ بدُور اُمتِ مرحوم اے حبانِ پدر
 اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
 حلقہ جب کرتے ہیں یہ - کرتے ہیں اپنی فوج پر
 ہو گا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
 جس قدر ہے - ان سے اپنوں اور یگانوں کو خطر

قطعہ کجباب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

مرتبہ ۱۳۰۵ ہجری

آسمان جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی عرض
 شکر ممکن نہیں اس کا کہ مجھ کو گریختے
 اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرمان
 نہ کیا میں نے کبھی طوفِ در صدرِ زمان
 اور نہ ایسا کوئی جوہر جو قیمت میں گران
 جس کے جلد میں نہ اس لطف کا ہوتا شایان
 حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا

ہاں کمزرات میں ہر فیض رسائی جن کی
 ہیں مرقی ہندو بے ہنری کے جس طرح
 آسمان چاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گزار
 یاں وہ ان کھیتوں کو دیکے گیا ہر پانی
 قوم اس وقت ہر تعلیم کی جتنی محتاج
 عزت۔ اسودگی اور ملت مذہب ان کا
 پھر نہ قدر ان کی کچھ آنکھوں میں خلائق کی بلند
 آسمان چاہ پر برکت ہو خدا کی جس نے
 مگر قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز
 ان کی امداد سے نواب نے کی ہر قائم
 کرتے ہیں زندہ جاوید بنی نوع کو۔ جو
 ہے مدارس کی اعانت وہ گوی جس کا
 یہی بخشش ہو یہی جو ہر راس الامتات
 یہی امداد ہو جس سے ہوئیں قومیں سرسبز
 یہی قوت ہو کہ ملتے ہیں قومی جسے ضعیف
 دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سبیل
 اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیے سیراب
 برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
 بخت اس ملک جس ملک میں ایسا ہو وزیر
 اب خدا سے یہ عاہے کہ جہانیں جنتک
 آسمان چاہ سے ہو تقویت ملک و کن

ڈھونڈھ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احسان
 خار و گل دونوں کو کرتا ہر ہنال آب روان
 ملک میں اسکا ثنا خواں ہر ہر اک پیر خواں
 آنکھ اسلام کی خود جنگی طرف سے نگران
 ہے وہ عالم یہ ہو دیا۔ نہیں محتاج بیان
 ہو نہ تعلیم۔ تو بہن سب کوئی دن کے جہان
 اور نہ وزن انکا ترازو میں حکومت کی گران
 درد کا جان لیا ان کے کہ یہ ہے درمان
 جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں تہ تی کے نشان
 چشم عالم میں سیجائی پہ اپنی برہان
 بذل کرتے ہیں پے تربیت اہل زمان
 ملک پر۔ قوم پر تا دیر رہے گا احسان
 جس پہ موقوف ہو بہودعی نسل انسان
 یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آبادان
 یہی حکمت ہو کہ ہوتے ہیں سبک جس گران
 کی ہمیشہ کے لئے ایکٹاں داں نہ روان
 اس نے چاہا کہ رہی سپاس کا باقی نہ نشان
 نہر جاری ہو ہے ذات انکی ہوا فیض رسان
 حامی علم و خیر ہر بار کمال انسان
 شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان
 اور ہر ملک کن لجا و ما داسے جہاں

دولت قیصری و دولت آصفیاء ہی ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیبان

— (۱۰) —

تہنیت ولادتِ فرزندِ ارجمند در شہستانِ اقبالِ جناب

سر آسمانِ جاہ بہادرِ المہام سرکاری

مرتبہ ۱۳۰۸ھ

فیض ربِّ ذو المنن سے۔ فردہ احوالِ دکن	نائبِ دولت کا نخلِ آرزو لایا
دی بشیرِ دولتِ دین کو وہ چیز اللہ نے	جس سے پایادیدہ یعقوب نے نورِ بصر
جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے	حق نے دی جسکے عطا ہونے کی سارا کو خبر
جسکے پلے سے ہوا داؤد و ممنونِ قضا	جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہونِ قدر
جسکے بدلہ میں علی الرغمِ شہادت پیشگان	حق سے ختم الانبیاء نے پاکِ شہید و شہر
جو بضاعت ہو گدا کی اور دولتِ شاہ کی	جو ہے حاصلِ عمر کا اور زندگی کا مثر
جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عاریتِ نیاز	جس میں اجدادِ زندہ اور اماجدِ نامور
صدرِ اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلعت	خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ناطہ راثر
یہ سپہا رب بحق عترتِ خیرِ الورے	پائے عمرِ خضرِ نیرِ سایہ مہرِ پدر
صدرِ اعظم کی طرح دربارِ آصفیاء میں	جایگاہِ قربِ سلطانی ہو اس کا مستقر
دولتِ ثروت کو اسکی ذات لگ جائی شان	ذیورِ علم و ادب سے ہو مچلی اس قدر
سیرت و عادت میں اسکی نکلے آنِ اجداد کی	جو ہر اخلاقِ فارسی ہوں اس میں جلوہ گر

۱۵ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نوابِ سر آسمانِ جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد

ملک صفت جاہ میں سر آسمان جاہ آوردہ رات دن رکھیں اُجالا صورت شمس و قمر

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ ہجری بمقام حیدر آباد

۱۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل
ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علیگڑھ ٹھکانے کی طرف سے بطور
ڈیپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس
موقع پر ایک عام جلسہ صدرارت نواب وقار الامرا بہادر شیراز میں منعقد ہوا تھا۔
جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار
عالی کے شکر میں پڑھیں تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو اور مولانا
محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب فرمایا
تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم
نے پڑھا تھا۔

(حالی)

یاں بلا کر دی ہے جو غزت ہمیں سرکار نے
خدمت والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دھر
شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا ضرور
گرچہ کی ہے کوشش ان نظموں کے کہنے میں
رہ گیا پر ہمیں اس کوشش میں باقی اقصاء

اول اسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ان میں
عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
جو لیاقت اس میں ہو درکار وہ ہم ہیں نہیں
چند نظمیں انجمن میں اس لئے کہنے پڑیں
اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
درگزر فرمائیں گے سرکار اس سے ہے یقین

اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر
جھوٹ جو اس شکار کا زیور ہے وہ انہیں نہیں

قطمہ در شکر اضافہ وظیفہ بہ پیش گاہ جناب سر آسمان چاہ بہا

مرتبہ ۱۳۰۹ بمقام حیدر آباد

اے بشیر دولت دین نائب شاہ دکن اے تہات دکن کا ذات پر تیری مدار
مجھ پر کیا ہو جو لطف کرم سرکار نے شکر اس کا کر نہیں سکتا ادا میں زمیندار
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ و تقصود سے پہلے ہو لیتے ہیں صد ہا مشکوک وہ دو چار
کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر۔ ملا مقصود جب حالی کو اس در سے ملا بے ترد و بے تزلزل۔ بے طلب ہے انتظار
قدردانی گرزمانہ میں یو نہیں ہو جائے عام پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
یار ب اس سرکار کو۔ ہو جس عالم فیضیاب جب ملک دنیا رہے دنیا میں رکھیو برقرار

— (۱۰۰) —

صدائے گدایان قوم

پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت اور جہاد نے اپنی جاہت کا نام
گدایان قوم رکھا ہے ریاست بھادلوپور میں چندہ وصول کر کے لئے جانے کا ارادہ
کیا تھا۔ ان کا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً ان کا
جانا نہیں ہوا۔
(حالی)

ڈھونڈھنے خضر مبارک بچے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ شکر نہوں پر مردہ دل
سخت عبرت خیر لیکر داستان آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چین
 لیکے اُس کا مردہ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم
 علمِ جِزندہ کیا تھا آپ کے اجہرا دے
 آج اُس در پر اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم
 قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
 جستجو میں اُسکی شعلے کے یاں آئے ہیں ہم
 تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
 اسلئے ڈالے گئے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
 خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا
 ذلتیں یہ کر کے سب خاطر نشان آئے ہیں ہم
 فخر سب بیجا ہیں اُن کے قوم ہے جکی ذلیل
 فخر و عزت کے مٹا کر سب نشان آئے ہیں ہم
 ہے بنی ہاشم کی ہماں پروردی ضربِ المثل
 اس لئے یاں بن بلائے یہاں آئے ہیں ہم
 تشنگی اپنی بجھانی ہو گی اے آبِ حیات
 لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زبان آئے ہیں ہم

— (۱۲) —

لہذا چونکہ رئیس بھاول پور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی
 ہوئی تھی اس لئے یہ معنوں اس طرح ادا کیا گیا۔ ۱۲۔

مژدہ قدم حضور شاہزادہ ویزد درہستان

مژدہ ہوا ہاں شرق اب دن پھرے تھاے مغربے سوئے مشرق آیا ہے مہربان
 گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان
 ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انکھستان
 تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے - لیکن ہندی بھی ان دنوں ہیں متست پہ پنی ناز
 نہاں ہو آج ان کا اُس شاہ کا دلی عہد نئے زمیں کے سلطان جیکے ہوئے ہیں مہمان

آخری سہارا

یہ اشعار ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہیں

وہ دل رہا اُمیدیں جن پر کہ تو ہو شیدا جب دُور تیرے دل سے ہو جائیگی سہارا
 وہ عالمِ جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں چائیگا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سہارا
 جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہو تو نے اُسکو تھا جو کہ بھکھوا اپنا آرام دل سمجھتا
 چل دینگے جُست سا کہ - اُن گلیلوں کی مانند بعد از بہار جو بیخ کھڑیں نہیں چین کا
 جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ کون آکے دیگا جُتھ کو اُسکے سوا سہارا
 بے مہروں سے تو نے جیکو کیا ہے غمگین تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا
 جس طرح وہ پرندہ جو فصلِ گل میں جا کر
 پھر موسمِ خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

ترغیب اہل ایمان

(منقول از رسالہ "علیگٹھ منتقلی")

یہ قطعہ مولانا سید "انجمن مویہ الاسلام، دہلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا۔

(اسماعیل)

"مے غافلہ! بسے بے خبر۔ ہوش میں آؤ
دینا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنسناؤ
یہ دین ہی یا دین کا ہے سانگ۔ بتاؤ؟
جب تک غم امت میں نہ جان اپنی گھلاؤ
ہو دین کا دعویٰ۔ تو شہادت کوئی لاؤ
تو دین سے تم قطع تعلق کرو۔ جساؤ
دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دے کے دکھاؤ
کل پھل کوئی کھانا ہو تو زخم آج اٹھاؤ
یہ پڑو ہے میری اس سے دیکھو نہ گناؤ
سیوا کرو ان کی۔ انہیں پروا ان پڑھاؤ
ان گڈرو نہیں جو محل کہ گم ہیں آئینہ باؤ
ان کو کلوں کو میرے جیاد سے کے بناؤ؟
ان کی بری حالت پر پُری گت پہ نہ جاؤ
گن دیکھیں ہیں۔ لیکر زنا تک ان کا چھٹاؤ
رند جائیں نہ یہ۔ خاک سی جاؤ۔ انکو اٹھاؤ
ان چھپوں کو بہت کے چنگل سے بچاؤ

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا مادی
فارغ غم امت سے اور اسلام کا دعویٰ
گو دین کی صحت ہو۔ پر سیرت نہیں اسکی
مقبول نرج ہیں نہ نمازیں ہیں نہ روئے
دعویٰ نہیں مسموع شہادت نہ ہو جب تک
گر لپٹے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے
اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دکھائے
دینا میں جراحت۔ یہی حقیقی میں ہے راحت
یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بکیں
شیریں ہو پھل ان پودوں کا اور سایہ ہو گن کا
دیکھو نہ حقارت سے پٹھے کپڑوں کو ان کے
سنو لائے ہوئے چرو نہیں نور انکے ہوتا باں
ہیں ان میں فقیہ۔ انہیں حکیم۔ ان میں محدث
جو ان میں ہیں چوہر کہیں رنگ ان کو نہ دکھائے
افواج مخالف ہیں تگ و دو میں چپ رہیں
پھرتے ہیں بہت گتات میں لہا انکے سکاری

اسے یا رو بہ پہنیری اور دین ۲۵۰
 اُمت کے تئیموں کو ہوا انجیل کی تسلیم
 تیلٹ کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلمین
 گر جائیں حریت انکو سکھائیں میری توہین
 جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیئے کہنا
 کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر
 اپنا تمہیں وہ جان کے گراہ میں ٹھکیں
 اسلامیو ابے ہریاں آخر یہ کہاں تک
 بے کس نہ گنوان کو یہ کہنا ہے خدا کا
 عبرت کی جگہ جو ڈرو گردش سے فلک کی
 بن باب کا بننے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر
 اُمت میں ہو تم اسکی جو اُمت ہے خدا تھا
 وہ جیسا غریبوں کا بیٹوں کا تھا عاشق
 جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے امن کا
 کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ اک کی
 ٹوٹے ہوئے دل ہیں یہ گزر گاہ خدا کی

یہ ہیں وہ ہیں یہ ہیں یہ ہیں
 اور اپنی تم اولاد کو تشران پڑھاؤ
 اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
 اور کان نہ توہین پہ تم میری بلاؤ
 ہاتھ آئیں تمہارے تو عظام انکو ہنداؤ
 اور تم نہ کبھی بھول کے انکھ ان سے ملاؤ
 تم غیروں کی مانند گز پاس سے جباؤ
 جو منہ کو تمہارے نکلیں انکھ ان سے چراؤ
 تم پھیر کے منجھان سے خدا کو نہ رٹھاؤ
 اولاد کو اپنی نظر بد سے بچاؤ
 غیرت کو بس اُمت کی حرکت میں نہ لاؤ
 تو تم بھی عزیزو! اُسی اُمت سے لگاؤ
 تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طسج بٹھاؤ
 اخلاق میں کچھ اس کی بھٹک تم بھی دکھاؤ
 جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی کڑھاؤ
 ملنا ہو خدا سے تو اسی راہ سے جباؤ

۔۔۔۔۔ (۱۰) ۔۔۔۔۔

مَدَن سے یہ تھا دے رہا اسلام دھانی
 بارے سنی اجاب نے اسلام کی آواز
 جو شہ غفلت میں ہیں چور ان کو جھنجھڑو
 جو جو روئے نمازوں پہ ہیں اپنے

اور کہتی تھی غفلت "نہ اوہر کان لگاؤ"
 اور مل کے کیا عہد کہ کچھ کر کے دکھاؤ
 اور نیز کے متوالے ہیں جو ان کو جنگاؤ
 اسلام کی فریاد انہیں چل کے سناؤ

بن باپ کے بچوں کے ہٹے ہوئے چل
 کہہ کی طرح گرد و طواف اُن کے کراؤ
 انداد پہ اُن کی - کروکشی قوم کو محبور
 دل دکھے اگر اس میں کسی کا - تو دکھاؤ
 قائم کرو ایک انجمن اخوانِ صفا کی
 اور پیر ائمہوں کی حمایت کا اٹھاؤ

صد شکر - ہوئیں کوششیں اجاب کی مشکوٰۃ
 فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
 باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار
 اس وقت کہ نازک ہو بہت قوم پہ یہ وقت
 ہو چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی
 رحمت ہو خدا کی - یہ عزیزوں کی جماعت
 نئے قوم سہارا تو یہ ہے "نوح کی کشتی"
 سرِ حشر سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد
 جوتی ہے یہ - یاروں نے بھروسہ پہ تھما کر
 ہیں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے
 یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
 مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے - ہو کے ہراساں
 دو چار کے - دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام
 اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ
 سر جوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ
 دو اُن کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
 اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ
 سر جوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ

گو کام ہے دشوار - پہ مردوں کو ہی آساں
 کرنا ہے اگر اس کام کو پورا - کے حساباً

شہر حیدر آباد

پانی دیتا ہے کوئی۔ پود لگاتا ہے کوئی
 آکے کرتا ہے چین ہیں۔ کوئی آئین بندی
 کرتے ہیں علم نباتات کی بعض تحقیق
 تاکہ حق سے ہوان کی۔ فردوں علم بشر
 الغرض باغ میں ہیں وار دو صاور جتنے
 صحن نگاشن میں کسی کام کو آئے کوئی
 چھول چٹا ہے کوئی آکے۔ کوئی برگ و ثمر
 تاکہ ہو سیر چین سے نہ کبھی سیر نظر
 تاکہ تحقیق سے ہوان کی۔ فردوں علم بشر
 ایک سے ایک کی ہیں مختلف اغراض۔ مگر
 جائے گا بوسے ریا چین سے معطر ہو کر
 حیدر آباد بھی اک باغ ہے اشار اللہ
 ہے جاں فیض کا دروازہ کشا وہ سب پر

تمنیتِ سندھینی حضور نظام

(منقول از روزانہ زمیندار جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۷ء)

۱۹۱۷ء میں جب اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفیہ ہفتم میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ
ملکہ تخت نشین ہوئے تو روزنامہ "زمیندار" لاہور نے اس موقع پر اپنا ایک خاص نمبر
شائع کیا تھا اور اس کے لئے مولانا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی سند نشانی
کے متعلق لکھنے کی فرمائش کی تھی جو اب مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا (اسماعیل)

فلک مرتبت میر عثمان علیخان	مبارک تمہیں سندھ شہر یاری
مبارک اب وجہ کی تم کو خلافت	مبارک و کن کی تمہیں تاجدار ی
مبارک تمہیں ملک کی نگلہ بانی	مبارک رعیت کی خدمت گزاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل	جاں چپہ چپہ پہ سہ ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جنگو ملا وہ	ہوا چین رخصت فراغت سدھاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو	جنہوں نے کہ جھیلیں ہیں کڑیاں ساری
ارادوں جرات سے بہت سے جنگی	زمانے نے ہی بارہا شہر طہاری
مہموں سے جن کی تاریخ رنگیں	زباںوں پہ جو ذکر خیر ان کا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرایق	سہہ اب آپ کے عہد دولت کی باری
اب ان کی جگہ آپ کو ہے اٹھانا	خدا کی امانت کا یہ بوجھ ہساری
جو بے بس ہیں دینا ہے انکو سہارا	جو بے یار ہیں ان کی کرنی ہے یاری
نکتے ہیں جو ان کو کامی بسانا	بڑھانا دل انگنا جو ہیں کارباری
چکانا انہیں نیند کے جو ہیں ماتے	پڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری
جو زوار ہیں ان کی ہے پاسبانی	جو نادار ہیں ان کی حاجت ہراری

جو سرزور ہیں اُن کی ہے گوشمالی
 بڑوں نے تھا عہدِ وفا جن سے بنا رہا
 سبھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں
 مبارک یہ ہار گراں تم کو شاہا
 بہت مشکلوں کا ہے گوسا منا یہاں
 مگر مشکلیں ہیں یہ سب اُن کو آسان
 پہلے جو ہیں آغوش میں سلطنت کی
 یہ امید ہے آصفِ ہفتختیں سے
 رہے گا اسی طرح چلیے رہا ہے
 وہاگوئے دیرینہ ناچیز عالی
 دُعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُسکے
 الٰہی طویل اُس کا۔ پھیلائی جس نے
 منادی نے تعلیم نے۔ جس کی آکر
 طفیل اُس کا فرما رزوا و کون کی
 جو مظلوم ہیں اُن کی ہے غمگساری
 سد اکرنی اُس عہد کی پاس رہا
 کہ خصلت ہے یہ زیورِ شہریاری
 اٹھانے سے ہیں چٹکے افلاک عاری
 کہ بہتوں نے یہاں آکے بہت ہو باری
 پڑی جنگی گھٹی میں ہے ملکِ داری
 سیاست ہو جن کی رگ پے پس لاری
 ریاست کی حل شکلیں ہو نگلی ساری
 و کن پر سد اسایہ فضل باری
 کہ مدحت گری کے ہنر سے ہو عاری
 ادا جس سے ہو فرضِ مدحت نگاری
 خلائی میں توحید و پرہیز گاری
 زمانے کی بگڑی ہوئی کل سنواری
 حکومت کو شے غیب سے استواری

رہے رہتی دنیا ملک وہ سلامت

ہر اقبال و فیروزی و کامکاری

حاضرین کا نفرنس سے خطاب

اسے خاص گناہان ملت واسے یاوران قوم
 بندھتی ہو بہتری کی تمھیں دیکھ کر اُمید
 تم آکے مردہ قوم میں دیتے ہو جان ڈال
 قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چادر دن
 جن جوش میں کہ آتے ہو یاں دودھ دُور سے
 پھر جائیں دن یقین ہے بہت جلد قوم کے
 دعوے یہ خُبت قوم کے سب بے دلیل ہیں
 میلانہ سمجھو۔ قومی جلسہ ہے دوستو!
 سید کو دوسہرا کہ غفلت سے قوم کی
 سراپے دھریا ہے اُسے ایک فرد نے
 انصاف سے یہید ہے ساتھ اُسکا چھوڑنا
 خواہش ہے جسکی یہ کہ ہو دنیا میں تم عزیز
 عزت تمہاری دیکھ کے بڑھتا ہو جسکا خون
 خدمت میں قوم کی جے کا فر لقب ملا
 پر سر سے اُس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا
 بڑھتا گیا دم اُسکا۔ ہوئی جن قدر لٹاڑ
 ہے ایک چراغ آخر شب ٹٹسار ہا
 ایسا نمونہ جیکہ ہو آنکھوں کے سامنے
 کرنا ہے کچھ تو کر لو کہ باقی ہے وقت ابھی

اسے زمرہ معارف واسے طبقہ کرام
 ورنہ دلوں پہ چھائی ہیں مایوسیاں کام
 ورنہ تمام اس کا بس اب ہو چکا ہے کام
 پہ سال بھر وہی غم و اندوہ صبح و شام
 گیسال بھر رہے یونین اس جوش کو قیام
 پا جائیں جلد قوم کے سب زخم الیتام
 جیتک کہ کے ہاتھ سے دکھلاؤ کوئی کام
 آنا ہے دل لگی کی غرض سے جہاں حرام
 اب تک پڑے ہیں کام بہت اُس کے ناتمام
 ہو یا ر و چھ کر ڈٹکے کر نے کا جو کہ کام
 گھٹا تمہاری فکر میں ہے جو کہ صبح و شام
 جو چاہتا ہے یہ کہ رہو تم بہ احترام
 جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہے شاد کام
 پشتی میں پایا دین کی بے دین جس نے نام
 سب کچھ سنا۔ پر کام کا چھوڑا نہ التزام
 کوڑے تھے حق میں اسکے وہ سبطہ دلام
 یہ مجھ گیا تو بزم ہے تاریک پھر شام
 پھر حیف ہے کہ ہونہ سکے تم سے کوئی کام
 پھر آگے دانت پیسنے کے دل ہیں السلام

قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ

یہ ایک شہیدان تھا سنانِ حشت جسے تھی چھائی نہ سایہ تھا درختوں کا نہ یہ پانی کی سرسائی
 کیس ہوتا اگر کوئی۔ تو یہاں کوئی مکان ہوتا پڑے تھے کچھ کنڈر بن پرچی تھی جا بجا کائی
 خبر کس کو تھی برپا ہو گا ایک دارالعلوم اس جا نہیں پر جسکو حیرت تگے کا چرخ میں لائی
 جسے دیکھیں گے اعیانِ ملک آکر تما سے جہاں آفاق سے یکھیں گے آکر علم و دانائی
 یہ تھی امیر کس کو؟ پر خدا نے اپنی قدرت کا دیا جلوہ دکھا۔ ہو جس کا اک عالم تماشا لائی
 نہ تھی خود قوم راضی اور مخالفت اک نہ تھا گھٹایا دوسروں کی بائیں دل پہ تھی چھائی
 مگر سب کے استقلال نے منوا دیا سب کو کہ پڑ پڑا ہو تو ہو جا تا ہے استقلال سے الائی
 رعیت نے مدد کی۔ سلطنت نے سرپرستی کی بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پہچانی
 مگر سچ پوچھئے تو قالب بے روح تھا کالج نہ کی ہوئی اگر سرکارِ عالمی نے میحانی
 جب آئی پیش مشکل جب پرا کالج پخت آکر مدد پر کی مدد۔ امداد پر امداد فرمائی
 رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشان جب تک
 رہیں گے شہر آصف جاہ میں طبیب اللسان نہ گستا

علیگڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بن چلا سکھاتا ہے سہارا خیر کا چھوڑیں یہ ایک ایک کو سبھاتا ہے
 نہ چھوڑیں دین کا دامن نہ ہیں دنیا میں عزت تو سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دو نو پڑھاتا ہے
 نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت معزز کس طرح بنتے ہیں؟ گزرا اس کے بتاتا ہے
 خدا نے کر دیا ہے حکمران جس قوم کو ہم پسند خلو صحر اور دوستی اس قوم کی دلیں بٹھاتا ہے
 رعیت کو برابر حق فیلے ہیں جو حکومت نے طلب سے پہلے اسکا مستحق بننا بتاتا ہے
 زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزرا ہے ڈراؤنی صورتوں میں باد بار اس کو دکھاتا ہے
 یہ باہم مذہبی فرقوں کو ہے شیر و شکر کرتا یہ روٹھوں کو مٹاتا ہے یہ پھپھڑوں کو مٹاتا ہے
 کھلاتا ہے یہ کھانا ایک سترخان پر سب کو نمازیں پچکانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے
 دفا کا بیج بوتا ہے تعصب دل سے کھوتا ہے مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ بننا یہ سکھاتا ہے

نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو خامی
 خدا کی برکتیں ان پر جو اس کالج کے ہیں حامی

شکر یہ سٹر ہر روز

مشر بورڈ کرائل میں سپرٹنڈنٹ پولیس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی۔
 کرائل سے تبدیلی کے وقت منشی عبد المجید صاحب ٹیپٹا انسپکٹر پولیس نے مولانا کو
 یہ نظم لکھو اگر مشر موصوف کے حضور میں پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

سچ ہے کیا نہ شکر بشر جس نے آشکارا اس نے کیا نہ شکر خداوند کردگار
 ہم شکر کس زبان سے کریں آپکا ادا احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

Good Subject. یعنی اچھی رعایا ۱۲ اسماعیل

کی یہاں حکومت آپ نے دس سال جس طرح
 انیسویں صدی کے یہ دس آخری برس
 جو ہے اُسے خلق ہے جدائی کا آپ کی
 تھی آرزو۔ لگے رہیں قدموں سے آپ کے
 لیکن خوشی کے ساتھ۔ جو غم بھی لگا ہوا
 آپ بچھی وہ گھڑی کہ ہم آئے حضور میں
 اس وقت کہ جودل پہ ہے حالت گذر رہی
 ہے حق سے یہ دعا کہ بھلائی کا قلم یہاں
 پڑوڑنے جس طرح کہ خلائق کو خوش رکھا
 خالق اُسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

مشرایین کی روانگی ولایت

مشریقہ پورہ مارلین ۱۸۸۹ء میں علیگڑھ کالج کے سٹاٹ میں لکھوے تھے۔ دس
 سال کے بورڈ شہداء میں مشربیک کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ بہ حیثیت پروفیسر
 اور بحالت پرنسپل انھوں نے مسلمانوں کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ علیگڑھ
 کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ۱۹۰۸ء میں جب موصوف اپنی بعض خانگی
 ضروریات کے لئے مستعفی ہو کر ولایت تشریف لے جانے لگے تو ایک الوداعی پارٹی
 میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی۔
 (اسامیل)

ہم سے ہوتے ہیں جدا اب ازیریل مار سن
 سایہ اپنا ہر سے کالج کے اٹھانے کو ہیں وہ
 چھینتا ہے اُن کو ہم سے جذبہ حب وطن
 جس کے سر پہ تھے ہا کیطرح وہ سایہ فکن
 چھوڑ جائیں گے وہ یوں پھولا پھولا اپنا چمن
 تھی نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز امید

کیا خبر تھی ہم کو؟ یاد آئے گا اپنا میکہ دیس
 چھوڑ کر بیڑا مسلمانوں کا یوں منجھدار میں
 تم نے پوری کر کے آنکھوں کو دکھا دی وہ مثل
 چاہئے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب بہار
 پرورش میں تم نے جس بچے کی کاٹے پیر سال
 تم نے باز بھی مٹی کمر جس قوم کی تسلیم پر
 پڑ لگاتے اور ہیں یہاں پودہ پھل کہا تیرا
 ہے تمہارے جانشینوں کے لئے اب اہ صفا
 تم نے کی کالج کینڈرمت جس خلوص صدق سے
 ہو صلیہ نیکی کا خود نیکی کہ دل سوزی کا اجر
 گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا سرسید نے بیج
 جیسے پھیلا یا مقدس پال نے دین سیج
 تم نے سرسید کی جو اصلاح میں حصہ لیا
 تم تریں کہ ہو نمک نہ صلیج ہو تم اقوام کے
 نوع انسان کی مدد کرنا تمہارا ہے شعار
 مار سن اور مار سن سکیم نے ثابت کر دیا
 نیک دل باؤ بھی کالج کی مڑتی تھی یونین
 اب دُعا یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اہل عیال

بھول جائیں گے انہیں پڑیس کے سارے بچن
 راہ لی تم نے سمندر پار کی اسے مار سن
 وہ جو ہو مشہور کن نیکی دور دریا فکریں
 جکی کھنچی ہے ہمک شیراز سے سہلے ناد کن
 دیکھنی تھی اب تھیں اس کی جوانی کی چھین
 شاہ جو نے دیکھ کر ان میں کہا اس علم و فن
 نوع انسان میں علی آتی ہے یہ رسم کہن
 کٹ گئیں اس باد میں تھیں خیر لہجہ تھی کھن
 بس یہی خدمت رہا ہے صلہ جو مار سن
 شمع نے پیر پایا روشن ہو گئی جب انجمن
 پر پھلا پھولا تمہاری سسی سے اس کا چمن
 تم نے اور یک نے یونین پھیلا یا سید کا مشن
 قوم کی سنت ادا کی ہے یہ تم نے بے سخن
 ہے تمہاری قوم کی خصلت یہ مشہور نہ من
 تقویت دینا ضعیفوں کو تمہارا ہے چلن
 خیر کے پتیلے میں انگلش قوم کے سب مرد و زن
 جس طرح شوہر کے دل کو تھی لگی اسکی لگن
 سایہ افصال ربانی میں پھنچیں تاد طن

رہو سے ہر منزل میں توفیق الہی ساتھ ساتھ
 حافظ و ناصر تمہارا ہو خدا کے ذوالمنن

خطاب ”بہ عاؤق الملک“

(منقول از ”علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ“ موزہ ۵ جنوری ۱۹۰۸ء)

شعبہ کے شروع میں جیہ حکیم محمد اہل خالص صاحب کو گورنمنٹ نے عاؤق الملک کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۵ جنوری شعبہ کو دہلی کی پبلک کالیکٹیم اٹان جلسہ شہرہ ٹائون ہال میں نواب امیر الدین احمد خالص صاحب والی ریاست لوہارو کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی میں تشریف لے گئے کے باعث جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا۔
(اسما حیل)

عاؤق الملک! اس خطاب فرخ بدختر پر ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے
پر یہ ہے کیسی مبارکباد۔ ہم حیران ہیں؟ گو کہ دل ہر لپٹے بیگانہ کا اسٹنڈا ہے
سچی دکر مشش اپنے کی تھی کبھی بہر خطاب؟ یا کوئی درخواست دی تھی آپ نے کچھ یاد ہے؟
یہ تو یاروں کی دعاؤں کا جو بس سارا ظہور غیبیہ اُن دعاؤں کی ہوئی اعداد ہے

بس مبارکباد یہ جو دے رہے ہیں خاص عام

مستی ہیں اسکے ہم۔ یا آپ۔ کیا ارشاد ہے؟

شکریہ مساعی جمیلہ ظفر علی خان

از طرف جملہ مسلمانان

۱۹۱۳ء

(منقول از روزنامہ "زمیندار" جلد ۳ نمبر ۱۷۹ - مورخہ اگست)

۱۹۱۳ء میں جب مسٹر ظفر علی خاں بی۔ اے۔ اڈیٹر مالک اخبار زمیندار جنگ بھقان کے سلسلہ میں قسطنطنیہ گئے اس وقت ان کی اسلامی خدمات اور قومی سہار دی کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اس وقت ان کی شان میں کچھ ابیات لکھی تھیں لیکن نظم نام تمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے (جہاں ان کا نہایت پر جوش استقبال کیا گیا) اس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم ان کے سامنے پڑیں۔ پانی پت سے انہیں دہلی تار دیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے معترضی دیر بیاں ہی بٹھریں مگر نہ تار کا جواب آیا اور نہ مسٹر ظفر علی خاں ادھر سے گزرنے کے موقع گزر جانے کے بعد مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لئے بھیج دی تھی۔

(اسما عیل)

اے مالک دفتر زمیندار	اے نازش قوم و فخر اقراں
اے روح دروان جمع اجاب	اے چشم و چراغ بزم خواں
اے دین کے امتحاں میں جانبا	اے نصرت حق میں تیغ عریاں
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر	اے شیر دل۔ اے ظفر علی خاں
قدرتِ بھرے تھے تجھ میں جو گن	جب تک وہ رہے نظر سے پنہاں
وقتیت و برتری پہ تیری	قائم کوئی ہو سکی نہ بُراں
پروقت کی تاک میں براہ	ہمت تری گن رہی تھی گھڑیاں

بلقان و طرابلس میں ناکا و اٹھاستم و جٹا کا یونان
 ہمدردی اہل دیں نے آتش جو ہر ترے کر دیے نمایاں
 جمعیت و صبر کا سراسر دامن ہوا چاک تا گریباں
 پھیلے وہ بشکل سیل آتش دل میں ترے جو شرتھے پہناں
 ڈالا یہ تری پکار نے غل جی اٹھے وہ مرے چوتھے پیاں
 جو دل غم قوم سے تھے یہ جس چلنے لگیں ان دلوں پہ پھریاں
 وہ بن گئے آپ اپنے رہن اسلام کی سمجھ اب حقیقت
 ہاں اس میں نہیں بیا لگے کچھ جو نام کے تھے فقط مسلمان
 نازاں ہے وہ درگاہ تجھ پر ستیا جی ہو اسے ظفر طعناں
 کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند تعلیم پہ جس کی ستو ہے نازاں
 سو زغم دین حق سے جن کے جو قوم کے درد کے ہوں دریاں
 جو ملک دوطن کے ہوں فدائی سینے ہوں کباب دل ہوں بیاں
 مشرق میں ہوں درویش چین جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
 پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر خنر مغرب میں سنیں جو رنج اغواں
 ہے اس کو یہ مخزن ناز و شایاں

زندانہ ہے وہ ملک اور ملکیت

ہوں زندہ دل ایسے حسین ازل

حصہ اول تمام شد

حصہ دوم

غزلیات

موانا کی تمام غزلیات تین حصوں میں تقسیم کیجا سکتی ہیں :-
اولہ قدیم غزلیات ہیں جو ایام جوانی یا اس زمانہ کی تصنیف
 ہیں جب حالی پر تغیرات زمانہ کا اثر نہ پڑا تھا اور جس وقت شاعری صرف انگلی ٹپ
 حسن و عشق - ہجر وصال اور عاشقانہ مشکوہ و شکایت وغیرہ مضامین میں ہی
 منحصر سمجھی جاتی تھی۔ حالی کی یہ غزلیات بھی زمانہ کی ہوا کے موافق اسی رنگ
 میں رنگین نظر آتی ہیں۔

دوسری قسم کی غزلیات اس وقت کی ہیں جب زمانہ پلٹنے لگا
 اور نئی طرز کی شاعری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی۔ پُرانی شاعری سے
 طبیعت متنفر ہونے لگی اور رفتار زمانہ کو دیکھ کر اس بزرگ حکیم کے دل میں بھی
 قومی درد اٹھ اٹھا جو آخر کار اس ناصحانہ اور حکیمانہ کلام کا باعث بنا جس سے
 حالی کی تمام منظوم تصانیف لبریز ہیں۔ اس زمانہ کی غزلیات سے نصیحت
 عبرت اور درد پکا پڑتا ہے اور دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں حالی
 نے فاتحانہ انداز سے قدم رکھا ہے۔ اور جس میں وہ اپنے تمام معاصرین
 سے نہایت ممتاز نظر آتے ہیں۔

آدل اور دوم دونوں قسم کی غزلیات دیوانِ حالی میں صاف
 طور پر علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں۔ اور ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی
 غزلیات قدیم ہیں اور کونسی جدید؟

تیسری قسم کی غزلیات وہ ہیں جو حالی کی بالکل آخری عمر کی تصنیف
اور دیوان کے شائع ہونے سے بعد کی ہیں اور جن میں تجربہ کارے کی پختہ کلاسی اعلیٰ درجہ
کی قوت فیصلہ، ہر معاملہ میں عجیبی مٹی رائے، کلام کی خوبی و لطافت، اور حسن بیان
غرض ہر خوبی نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جن سے اس مشہور مرقومہ کی سچائی پورے
طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ "شاعر جس قدر ضعیف اور بڑا جاہل ہوتا جاتا ہے۔
اُسی قدر اس کی شاعری بھٹی اور جان ہوتی جاتی ہے"

ہم نے تینوں قسم کی غزلیات میں تیز کے لئے کچھ اشارات مقرر کر دیے ہیں۔
جن سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ کونسی غزل کس وقت کی تصنیف ہے :-
(۱) قدیم غزلیات کے شروع میں حاشیہ پر قی بنا دیا گیا ہے۔
(۲) جدید قسم کی غزلیات چونکہ بہت زیادہ تھیں لہذا آسانی کے لحاظ
سے ان پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ ان کا نشانہ ان سے خالی ہونا ہی ان کے
جدید ہونے کی علامت ہے۔

(۳) آخری عمر کی غزلیات پر ان کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

ہم تینوں قسم کی غزلیں جدا جدا درج کرتے مگر ردیفوں کے سلسلہ کا
بھی خیال تھا اور اس صورت میں یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ علیحدہ
علحدہ ہر قسم میں اس قدر غزلیں نہیں ہیں کہ وہ تمام ردیفوں پر تقسیم
ہو سکیں لہذا عجوبہ آئینوں اقسام کی غزلیں بلا جلا کر لکھ دی گئیں۔ اس طرح
ردیفوں کا سلسلہ بھی پورا ہو گیا اور ہر غزل پر خاص نشانات لگا دیئے۔
تمیز میں بھی آسانی ہو گئی (اسماعیل)

الف

قبضہ ہودوں پر کیا اور اس سوا سیرا اک بندہ نافرماں ہے حمد سیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا بندے سے مگر ہو گا حق کیونکہ ادا تیرا
 محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
 جتنا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی کلی میں نگوں اپنی رہتا ہے گدا تیرا
 عظمت تری ماننے بن کچھ بن نہیں آتی یاں ^{تظم} ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
 تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محسوس ان کو جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
 نشہ میں وہ احسان کے سرشار ہیں اور بخود جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
 سمجھا ہو پرستے بجو اور اک کی سرحد سے جس قوم نے رکھا ہے انکار و ادا تیرا
 طاعت میں ادب تیرا عصیاں جو گوڑ بھ کر عصیاں میں ہو طاعت سے اقرار و ادا تیرا
 آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ ہمک تیری گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا
 ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے

کچھ رنگ بیاں حالی ہو سب سے جدا تیرا

کابل ہے جو ازل سے وہ ہو کمال تیرا باقی ہے جو آبد تک وہ ہے جلال تیرا
 ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ہر دل پہ چھارہا ہے رعب جمال تیرا
 کاوش میں ہے الہی دگدا میں ہو طبیعی جو حل ہوا نہ ہو گا وہ ہے سوال تیرا
 چھوٹے ہوئے ہیں گوجی پوئل بند ہوئی ہیں ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
 گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہی ہیں لیکن ملانہ ہر گز دل سے خیال تیرا
 پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی؟ پھیلا ہوا ہی ہر سو عالم میں جال تیرا
 انکی نظر میں شوکتِ حجّتی نہیں کسی کی آنکھوں میں بس رہا ہو جن کی جلال تیرا

۱۰ یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف "اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ فَخْرًا فِي الدّٰخِرِ اَلَا فَخْرًا مِنْ اَمَلٰهَا"
 یعنی خدا کی خوشنویس نہانہیں پھیلی ہوئی ہیں سوائے اُن کا اور اُن کو اوپر ادا کرنے والے دو ۱۲ حالی

دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
 دل ہو سو پھر تیری۔ جان ہو سوال تیرا
 ہی پر زل سے دل اس کا قوی زیادہ
 رکھتی ہے آسرا یاں جو سیر زل تیرا
 ہے پاس دوستوں کے تیری ہی نشانی
 یار بکھی نہ پائے زخم اندمال تیرا
 بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی
 سن سن کے سروہندسے قال اہل حال تیرا
 رُہ میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزا غوشگوار دیکھا
 نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خار دیکھا
 نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے اس ٹوٹے
 رہتے سدا نامراد جویاں اُنھیں بھی امید دار دیکھا
 رخ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ انسر و زجن چمن میں
 نہ بلبل و گل میں واں تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا
 سوار۔ محل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں ڈرے
 نہ محل آیا نظر نہ ناتر۔ فقط کچھ اٹھتا غبار دیکھا
 جو لاکھ میں ایک پر۔ کہیں کچھ کھلا بھی سمت سے بھید تیرا
 بلا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری کل گئے جو نہ جھکے دریائے پر خطر سے
 گئے وہ کوڈ آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پاؤں دیکھا
 نیچے ہوئے کا ہشوشیاں کی وہی ہیں جو تیری ہو رہے ہیں
 وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ نگار دیکھا
 چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
 گل اُن کی نظروں میں چھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہے۔ کون ہے۔ اور تو کہاں ہے؟
 یہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے عداوت لک استوار دیکھا
 سلوک ہیں تیرے سب کیساں وہ گہر و ترسا ہوں یا سلیمان
 نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا
 سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر ڈیے ہاتھ باندھ سب کے

جنہیں تھایاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا
 بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
 ہمیشہ بیکار تجھ کو پایا کبھی نہ سگرم کار دیکھا

پر وہ ہوا لکھ کینہ شمر و نرید کا	چھتا سنیں جلال تھارے شہید کا
مضمون ہو نقش دل میں لکھنا مرید کا	کوئین سے بھر گناہ دامن امید کا
قل در مراو سب اکبار تھل گئے	چھوڑا جب رز دے پھر وسا کلیہ کا
دیکھا ہے جتنے عالم رحمت کو غور سے	ہر شش جہت میں قحط دل نا امید کا
شرم کرم کی ہیں یہی گر پرہ داریاں	انجام ایک ہو گا شفی و سعید کا
ہر نردبان جذبہ توفیق دریاں	یاں امتیاز کیا ہے قریب بعید کا
ہو آسماں پتیرے جگر غوار کا دماغ	خون جگر میں نشہ ہو جام بنید کا
نسکین نہیں شاہدہ گاہ گاہ سے	یارب یہ روزہ دار ہو مشاق عید کا
دفع ہو گرد وسیع تو رحمت وسیع تر	لا تھنوا جواب ہو حل من مزین کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیایاں

لیگانہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

۱۱ قرآن شریف میں ہے "لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ" یعنی اہل جنت کے لئے جنت
 میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہو گا اور (اسکے سوا) ہمارا پاس اور بھی (بہت کچھ) ہے ۱۲ - حالی

لغت

یا مَلِکُ الصِّفَاتِ یا بَشَرِی القُوَّةِ
 تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسی کہ بارگاہِ خاک
 دعوئے روشن ترا ثابت ہے بیستہ
 قال ترا اور حال نشہ وحدت میں چور
 غیب بھیجے تجھے ٹاپتا پھرنا تھا جب
 اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کو وقت
 شان رسالت کی تھی تیری جیسے عیاں
 گلہ نبی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
 دوڑ پڑے سب حق کاٹ کے سب بیڑیاں
 راہِ نبی قسین جبرہ گئے دل تھام کر
 خاک تھی جس ملک کی مَرِغِ شرفِ فساد
 تو نے عمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
 چھوڑ گئے تھے سلف کا مادہ ہو بہت
 تو نے کیا سترق عارفِ عامی پہ فاش
 چوت حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
 حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام
 دیر ہوئے بے چراغ اور صلواتِ یہود
 بچھ گئے آتشِ کدے بیٹھ گئے بتکدے

فَیْکَ وَ لَیْسَ عَیْکَ اِنَّکَ حَیْرُ الْوَرَعِ
 خَلْقُکَ خَصْبُ الزَّیْنِ بَعْنُکَ عَیْ الْوَرَعِ
 صورت و سیرت تری صدق پر تیرے گوا
 اور تھا تیرا خد اور بچھونا خد
 دشت میں بھٹکا ہوا فافا فافا رہنا
 جیسے کہ ہنگامِ قسطِ تسلیم سے اٹھے گھٹا
 گود سے دایہ ابھی کرنے چکی تھی جد
 گلہ آدم تجھے سوپ چکی تھی قصدا
 اُمیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
 دیکھ کے تیرا قدم ہم قدیم ابھی
 تو نے اُسی کو دیا ارضِ مقدس بنا
 جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترخم کیا
 تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
 ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
 ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا
 پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان میں جا
 شرک ہوا فضائل اور کہانت ہیا
 ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت فنا

۱۵ دیر۔ راہیوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہیا غبارِ نا پیر سلہ مجوسی جو د خدا ایک خالق
 یہ ایک خالق شرعی یزدان اور اہرمین کو ماننے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲۰

اٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں لھانس
غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام
رہ گیا نام سچا کذب میں ضرب المثل
سلسلہ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں سونکال
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ
بچھ پہ صلوٰۃ و سلام رب سموات سے
روز و شب صبح و شام قدر رمال دھسے

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سراٹھایا اُس کو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اُسکو گرا کے چھوڑا
رایوں سے راج پھینے شاہوں سے تاج پھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقوٰی
جو گنج تو نے تاکا اُسکو لٹا کے چھوڑا
جس رہگذر میں بیٹھا تو غولِ راہ بن کر
صفاں سے راستہ رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

لے سچا ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں
ہیں اکذب من سچا ح اور اسود عسی اور سبیلہ جس کی کنیت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے
جو آخر کار قتل کئے گئے ۱۲۔

فرہاد کو بہن کی بی تو نے جان شیریں

اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوب سے بشر کو دی تو نے نا صبری

یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں میں دگلد از تیرے

پتھر کے دل تھے جن کے انگوڑا کے چھوڑا

عقل و رجو نے مجھے کچھ چٹھانش جہاں کی

عقل درخز کا تو نے خاک اڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دبے ترے ہمیشہ

ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا

امانہ تیرا رنگین رُو واد تیرے دلکش

شعر و سخن کو تو نے جاؤ بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا

اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کیجو ہم سے نہ تو کنارا تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یوں بے سبب نہ پھر تاہیں کسی سے اے آسماں کچھ اس میں تیرا ہی ہوا شمارا

میں خانہ کی خرابی جی دیکھ کر بھر آیا مدت کے بعد کل داں جانے لگے تھے فضا را

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے اے زاہد و تنہا رہے اس میں کیا اجارا

دنیا کے خرخشوش سچے اٹھے تھے ہم اول آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

توفیق نے ہمیشہ شانت پر خیریاں جب ناؤ دگ لگائی پاس آگیا کینارا

۱۵ دانا کشتی دانا یعنی بچاؤ نا۔ اکثر کشتی کا قضا حزن کرنے کے صرف دانا بولتے ہیں۔ ۱۲

انصاف جو دیکھا نکلے وہ عیب سارا سے جتنے ہنرتے اپنے عالم میں آشکارا
 افسوس۔ اہل دیں بھی ماتداہل دنیا خود کام و خود ناماں خود ہیں اور خود آرا
 امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر اسلام پر فیتہ و امانوں بہت تمھارا
 کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہو چپ سب کچھ کہا انھوں نے پرہنے دم نہ مارا
 حالی سے کام ہر یاں فعلوں سے اسکے کیا کام

اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یا رہے ہمارا

رونا نہو گا حالی شاید یہ کم تمھارا جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہو تم تمھارا
 الفت میں دم ہم کچھ لذت ہو بڑھتی جاتی چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمھارا
 عاقل ہیں شہر میں کم نادان بہت ہیں اعظا ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمھارا
 رنجو نہیں کوئی، یاں حیف احو صغیر پرستو دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصغیر تمھارا
 گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم اپنی نظریں ہو گا گردن کم تمھارا
 دشت طلب کے رستوں سے ہو گے کس طرح تم آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمھارا
 دو ہینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو بس جام جم ہمارا اور ملک جم تمھارا
 روسی ہوں یا تارسی ہم کو تائیں گے کیا دیکھا ہے ہننے برسوں لطف و کرم تمھارا
 کھولی ہیں تمنے آنکھیں احو حادثہ ہاری احسان پہ ہرگز بھولیں گے ہم تمھارا
 ہوتے ہی تم تو پیل کچھ رو دیئے سوارو ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمھارا
 رستے میں گزرنے ٹھہرے تو تم بھی جا لو گے گزرا ابھی ہر یاں سے خیل و حشم تمھارا
 پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم؟ گم ہے تمھیں میں یا رو۔ باغ ارم تمھارا

جاؤ رقم تو مائیں ہم دل سے تم کو حالی
 کچھ کر کے بھی دکھائے زور قلم تمھارا

وہ دل ہی ٹھانے نہ وہ بازو ہیں تو اتنا پہنچا ہی بس اب کو توج کا تم سمجھو زمانا

خود ہر وطن سے ہے وداع ایک سفر میں جانا ہر وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
 ولی سے نکلتے ہی ہوا جینے کی دل سیر گویا نہ رہا اب کہیں دُنیائیں ٹھکانا
 یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل جس دن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن دکھانا
 دُنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حواں پھل بل میں تم اس زلِ منوگر کی نہ آنا
 امنوس کہ غفلت میں کٹا عیدِ جوانی تھا آپ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا
 یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ملتی اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
 دُنیا میں اگر ہی بھی فراغت کا کوئی دن وہ دن ہو کہ جسدِ ہر اسے چھوڑ کے جانا
 لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سوا اجازت نہ رہا یا خبردار کہ نازک ہے زمانا

دُھار سہی کچھ اسی ہم قدم سے بندھی ہو

حالی کو کہیں وہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجئے گا

یہ بھی ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جانتا اس کو غیبِ ہرگز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصورِ اپنا نہ کیجئے گا

سنائے صوفی کا قول ہو یہ کہ ”ہے طریقت میں کفرِ دعویٰ“

یہ کہ دو ”دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا“

اسی میں ہے خیرِ حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو

کرے وہ یاد اس کی بھول کر بھی کبھی تیرا نہ کیجئے گا

کہے اگر کوئی تم کو داغِ غلط کہ ”کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو“

زمانہ کی خوبے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجئے گا

کمال ہے ضدِ بے کمالی نہیں ملاپ اُن میں حرفِ گیر و

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجے گا تو آپ سب جان لیں کیجے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ نہ اہ نہ درودِ آفت کی آگ نہ اہ

پھر اور کیسا کیجے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجے گا

تھارا تھا دوستدارِ حالی اور اپنے بیگانہ کا رُضا جو

سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجے گا

آتا ہے دُور ہی سے ہکو نظر گھر اپنا

وحشتِ ریگلی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا

فضلِ دہنر کا ہو گا جب چاکِ محضر اپنا

ایسوں ہی سے بھٹا ہے یارِ اندکشر اپنا

کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاکِ محضر اپنا

یہ ہے بضاعتِ اپنی اور یہ ہے دفترِ اپنا

ہو غمِ دیرِ شاید کعبہ سے پھر کر اپنا

قیدِ خود میں رہتے آتے نہیں نظر ہم

پیرِ مغان سے ہو کر تب سُرخِ و ملیں گے

بیگانہِ دُش ہے گردِ تو ہی ہمارِ ڈھب کا

عصمتِ اپنی تھی خود فطرتِ گواہ اپنی

کچھ کذبِ افترا ہے کچھ کذبِ حقِ نام ہے

غیروں کو لینے آخراپنا بنا کے کیا ہم

اپنوں ہی سے ہو حالی کچھ دلِ مُکدّر اپنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہا یا

یہ تو بتائیں حضرت! کچھ کر کے بھی دکھایا

اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر

خوابِ گراں سے تُو نے ناحق ہمیں جگایا

تھا ہوش یا دُگل کا دُورِ خنداں میں کسکو

اے عندلیبِ نالاں یہ تو نے گل کھلایا

دیراں ہے باغِ تیرے پھوپھی نہیں سہاتی

مژدہ صبا نے یارِ تبِ یس کو کیا سنا یا

اسے عشقِ دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
 گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بسا بسا
 دڑتے رہیں گے اب ہم ہجرِ ہم ہی سزا سے
 احسان اُس کا جس نے ناحق نہیں ستایا
 واعطی کی محبتوں سے قائل تو ہو گئے ہر دم
 کوئی جوابِ شافی پر اُس سے بن نہ آیا
 آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدمِ خزاں کا
 دو دن میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا
 تعلیقِ قوم ہی پر گرہے مدارِ تحسین
 تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا
 دیکھا تو کچھ تطریسِ حالی حجاب نہ اپنی
 جو جو گمان تھے ہم کو اُن کا نشان نہ پایا
 نفسِ دعویٰ بیگناہی کا تہہ کرتا رہا
 حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفر میں رہا
 چور یوں دیدہ و دل کی نہ شرابا کبھی
 طاعتوں کی ندوستی بچ کر چلا رہا خطا
 نفس میں جو نار و خواہش ہوئی پیدا کبھی
 منہ نہ دیکھیں دستِ پھر میرا اگر جانیں کہ میں
 تھانہ استحقاقِ تحسین پرستی تحسین سدا
 شہرت اپنی جب قدر بڑھتی گئی آفاق میں
 ایک عالم سے وفا کی تو نے اسی حالی مگر
 گرچہ اُڑے جی سے دل کُتر آیا کرتا رہا
 وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
 چپکے چپکے نفسِ خائن کا کس کرتا رہا
 دار اُن کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
 اُس کو جیلِ دل سے گھر گھر کر دیا کرتا رہا
 اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
 حق ہو جو دن ہمیں کا وہ ادا کرتا رہا
 کبرِ نفسِ اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا
 نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

کہیں الامام منو نا پڑے گا ۱ کہیں کشت اپنا جھلانا پڑے گا -
 ہنوضو فی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دیکھلانا پڑے گا
 ”نصیحت بے اثر ہے گرنہ ہو درد“ یہ گزناصح کو بست لمانا پڑے گا
 جنہیں ہو جھوٹا کو بیچ کر دکھانا انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
 عوام الناس کا ہوگا جنہیں منصف انہیں خاصوں پہ نہہ آنا پڑے گا
 رہے وصفِ جہاں کی مشق واعظ انہیں سچوں کو پھسلانا پڑے گا
 سخن میں پیروی کی گرسلف کی انہیں باتوں کو دھڑلانا پڑے گا
 تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ ۱ قطعہ یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا
 بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہم نے ۲ بس بسا دُنیا کو ٹھکرا نا پڑے گا
 ہمیں توانش کی اس عکدے میں ۳ کہیں دل جا کے پہلانا پڑے گا
 دل اب صحبت کو سوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمنا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پست نا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ منہ سرمانا پڑے گا

بشر ہلو میں دل رکھتا ہے جب تک

اُسے دُنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز و کہاں تک یہ آتش مزاجی تمہیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی بس اس بل کو شکوہوں کو دھونا پڑے گا
 بن آئیگی ہرگز نہ یان کچھ کئے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو ہونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی

مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ابر کرم ترسائے گا میٹھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا
 پھل کچھ اسے نخل وفا تجھ میں نہیں جو لگا لگا تجھے پھٹائے گا
 دوست کیا آیا ہی سمجھو اب پیام آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
 ذوق سب جا رہے جز ذوق درد قطعہ ایک یہ لپکا دیکھے کب جائے گا
 واعظ آتا ہے تو آنے دو اسے ۱ پر مزا آنے کا یاں کیا پائے گا
 آئے گا اور ہم کو شربائے گمانت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
 عیب خالی نہ واعظ ہے نہ ہم ۳ ہم یہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا
 دل کے تیور ہی کہے دیتی تھے صفا رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا
 باغ و صحرا میں رہے چون گدل جی قفس میں اُسکا کیا گبرائے گا
 رنگ گردوں کا ہر کچھ بڑا ہوا ۱ قطعہ شبدہ تازہ کوئی دہلائے گا
 ابرو برق آئے ہیں دو نون سا تھما ۲ دیکھے برے گایا برسائے گا

مشکلوں کی جسکو ہے حالی خبر

مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا منہ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
 دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ پھر کئے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا
 اہو لیں اس کو ہمیں جا کر منسا اس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
 دل کو سجدے نہ مندر ہے انس ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
 جانتا دینا کو ہے اک کھیل تو کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
 عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مرحلے اب دیکھیے پیش آئیں کیا
 دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر سبھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے اک بزرگ دین کو ہم بھلا میں کیا
 ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
 راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا
 کاش اک جام بھی سا لک کو پلایا جاتا
 اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا
 کر دیا اُس نے تو ایشد سے غافلِ ناصح!
 اُس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا
 چپ چپاتے اُس دے اُسے دل اک بات پر ہم
 مال منگنا نظر آتا تو چکایا جاتا
 شب کو زاہد نہ مٹا بھیر ہوئی خوب ہوا
 نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
 دل کو یہ تو نے دکھایا ہی کہ دکھ جاتا ہے
 چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا
 نامہ بَرّاج بھی خط لیکے نہ آیا یا رد
 تم تو کہتے تھے کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
 عشق اُس وقت سر پر تر و شڈ لاتا تھا
 گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
 لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیارِ ہودہ
 اُس کی صورت تو ایسا نہیں پایا جاتا
 بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اسے دُنیا
 ہے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا ہوتے اگر نہ عشاے تا صبح
 وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوا یا جاتا
 دل نہ طاعت میں لگا جب لگایا غم عشق
 کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
 اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
 بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
 عشق سنتے تھے جے ہم وہ یہی ہے شاید

”خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا“

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہوتا حالی
 کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہانیں یوں نہیں اک نام ہو گیا
 کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت ناہیں
 بدنام ہی دنیا میں نگو نام ہے گویا
 ناچیز ہیں وہ کام۔ نہیں جبہ کچھ الزام
 جو کام ہیں۔ انکا یہی انعام ہے گویا
 آخر موتی رات اور بھی یاں شام ہے گویا
 آغا زہی الفت کا بس انجام ہے گویا
 آدبار بھی دیکھو گے جاں پاؤ گے اسلام
 آدبار بھی دیکھو گے جاں پاؤ گے اسلام

جب دیکھے حالی کو پڑا پائے بیکار
 کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر نورِ وفا ہوتا
 تھا آفتِ جان اسکا انداز کما ندری
 تو سب میں ملا رہتا اور سب جدا ہوتا
 ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
 کچھ اپنی حقیقت کی گر تب کو خبر ہوتی
 میری ہی طرح تو بھی غیر ولس تھا ہوتا

یہ نعلت بنا دیا میں دیکھانہ سنا قاصد
 باتوں میں شکایت کی بُو آتی ہو الفت کی
 ہم روزِ فراق اس سے ہنس نہیں کے ہوئے نصرت
 گر صاحبِ دل توتے سُن کر مری بیتابی
 جو دل پہ گزرتی ہے کیا جتہ کو خبرِ ناصح
 جو جانِ در گزری وہ چاہے سو کر گزے
 ان پڑھ تو ہو تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
 گردِ دلیں جگہ ہوئی لب پر بھی گلا ہوتا
 رونا تھا بہت ہکورو تے بھی تو کیا ہوتا
 تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
 کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
 گر آج نہ تم آتے کیا جانے کیا ہوتا

گلِ حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ

سُننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

پیش از طورِ عشق کسی کا نشان نہ تھا

تھا حُسنِ میرِ بان کوئی میہان نہ تھا

ہم کو بسا میں بھی سرِ گلستاں نہ تھا

یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادمان تھا

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام

گو یا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ میں

تھی دل کی احتیاط مگر بیمِ حباں نہ تھا

بیچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے

تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا

کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں

تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جان نہ تھا

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب

مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا کہاں نہ تھا
 رونا ہی یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں
 طعنِ رقیبِ دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
 تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چھب گئی
 مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

بزمِ سخن میں جی نہ لگا اپنا نہ بہار
 شبِ انجمن میں حالی جا دو بیاں نہ تھا

ریخ اور ریخ بھی تنہائی کا وقت پہونچا میری رسوائی کا
 عمر شاید نہ کرے آج وفا کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا
 تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
 ایک دن راہ پہ جا پہونچے ہم شوق تھا بادِ یہ پیمائی کا
 اُس سے نادان ہی بن کر ملے کچھ جا رہ نہیں دانائی کا
 سات پر دو نہیں نہیں ٹھہرتی آنکھ حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
 درمیان پائے نظر ہے جب تک ہم کو دعویٰ نہیں بینائی کا
 کچھ تو ہے قدرِ تماشائی کی ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
 اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن لے دل مجھ کو ڈر ہی خود آئی کا
 بزمِ دشمن میں نہ جی سے اترا پوچھنا کیا تری زیبائی کا
 یہی انجام تھا اسی فضلِ خزاں؟ گلِ دلیل کی شناسائی کا
 بددعا سے جذبہٴ توفیق کہ یاں ہو چکا کام تو انائی کا
 محتسبِ عذر بہت ہیں لیکن اذن ہم کو نہیں گویائی کا
 ہونگے حالی سے بہت آوارہ گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

انغمض چلتے وقت مروت سے دور تھا

ردِ رو کے ہم کو اور لانا ضرور تھا

مقی ہر نظر نہ محرم دیدار در نہ یاں

بہرِ غارتخلِ امین و بہرِ سنگِ طور تھا

دردِ اکِ لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز

چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا

جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارِ سانے کبھی

ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا

دردِ می کشانِ بزمِ مغان کا نہ پوچھ حال

ایک ایک رند نشہ وحدت میں پور تھا

اب بایابِ انجمنِ عام بھی نہیں

وہ دل کہ خاصِ محرمِ بزمِ حضور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجران سے کم نہ تھا

کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا طور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر

بہرِ نازِ نقش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شاد ماں

تھا حوصلہ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا

۱۵ اس غزل کے متعلق سچ صاحب کی جنتی راۃ صفحہ ۱۱۵ سے یہ دو شعر ہم کو ملتے ہیں جو دیوان میں نہیں تھے۔ لہذا یہ دونوں یہاں حاشیہ پر درج کر دیئے جاتے ہیں (اسماعیل)

کیونکر کہوں کہ تم مرے مرنے سے شاد تھے
چہرہ نکایوں اور اس جو دلیں مفسرِ ور تھا
زاہد کو گر عبادت و تقویٰ پہ تھا گھنٹ
نہ کو بھی انتقال پہ اپنے عشقِ ور تھا

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا
 تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
 اے دل رضا غیر ہے شرط رضا دوست
 دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں
 نئے تند و ظرف حوصلہ اہل نرم تنگ
 راضی ہیں ہم کہ دوست ہو دشمنی - مگر
 کیوں چھڑتے ہو ذکر نہ ملنے کارات کے
 بگڑیں بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
 ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر
 مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
 یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہل دین کے نہ حالی بڑیں ہیں آپ

فقد حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل
 سبب ہو نہ لوگ پہ آنا ضرور
 وہ امید کیا جس کی ہوا انتہا
 ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
 نہیں بھوتا اسکی رخصت کا وقت
 سماں کل کا رہ کے آتا ہی یاد
 سمجھتے تھے جس غم کو ہم جاگزا
 نہ دے میری امید مجھ کو جواب
 دلا سا تمھارا ہلا ہو گیا
 اگر تیرا اس کا خطا ہو گیا
 مرا شکر اس کا کلمہ ہو گیا
 وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
 مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
 وہ رورو کے ملنا ہلا ہو گیا
 ابھی کیا تھا اور کیا سو کیا ہو گیا
 وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
 رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگِ گراں ہر راہ میں تمکینِ یار کا اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بقیار کا
اک مٹوسی ہو گئی ہر محل کی ورنہ اب وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و ترار کا
آؤ مٹا بھی دو خلش اگر زوئے قتل کیا اعتبار زندگی مستعار کا
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو بلتا نہیں محلِ گلہ روزگار کا
سبھی مجھے اگر سمجھیں ہے آدمی کی قدر میرا اک انقاس نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفانہ ہوا وعدہ وصال سن لیں گے وہ آلِ شبِ اشعار کا
اب محو ہوئے گل پہ ہوا کب دلِ خیر ہم کو چمن سے یاد ہے جانا ہزار کا
ہرمت گردنا قہ لیسے ابلند ہے پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغولِ وطن کو بھلا دیا خانہ خراب خاطرِ الفتِ شعار کا

حالی بس اب یقین ہو کہ دلی کے ہوئے
ہے ذرہ ذرہ ہر فنِ اس دیار کا

ب

درو دل کو دواسے کیا مطلب کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمہ زندگی ہے ذکرِ جمیل خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہر نفس کی تسخیر ظلِ بالِ ہما سے کیا مطلب
جو کینکے بھریں گے خود و اعظ تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنگِ مہجور و غلاماں ہیں ان کو زاہدِ خدا سے کیا مطلب
کام ہر مردی سے انسان کی قطعہ زہد یا انقاس سے کیا مطلب
ہو اگر رند و امن آلودہ ۲ ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفی شہزادہ صفا ہے اگر ۲ ہو۔ ہماری بلا سے کیا مطلب

نگہبے پے غش ہیں جو حالی
۲ اُن کو دروِ صفا سے کیا مطلب

ق

مجھ میں وہ تاپِ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب

چھیرہ نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زباں ہے اب

وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبطِ راز تھا

چہرے سے اپنے شورشِ پناہ عیاں ہے اب

جس دل کو قیدِ ہستی دُنیا سے تنگ تھا

وہ دل اسیرِ حلقہ زلفِ بتاں ہے اب

آنے لگا جب اس کی تمنائیں کچھ مزا

کہتے ہیں لوگ "جان کا اس میں زیاں ہے اب"

لغزشِ ہنوی۔ بلا ہے حینوں کا ارتفات

اے دل سنبھل۔ وہ دشمن دیں مہراں ہے اب

اک جرّہ شراب نے سب کچھ بھلا دیا

ہم ہیں اور آستانہ پیرِ مٹاں ہے اب

ہے وقتِ ترع اور وہ آیا نہیں ہنوز

ہاں جذبِ دل مدد کہ دم امتحاں ہے اب

ہے دل غمِ جاں سے سبکدوش انداز

سرِ تپتا سو جھٹا کوئی بارِ گراں ہے اب

حالی تم اور ملازمت پیرِ مے فروش

وہ عالمِ دین کہ ہر جہز وہ تقویٰ کہاں ہے اب

۱۶۳۷

یہ ہیں واعظ سب پہنٹھ آتے ہیں آپ ۱
 بس بہت طعن و ملامت کر چکے ۲
 ہے صراحی میں یہی لذت کہ جو ۱
 داغ طرا ہے اُن کو شرمانا گناہ ۲
 کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں؟ ۱
 کرتے ہیں آباد و دوزخ کو حضور ۲
 ناصح قوم اسپہ کھلاتے ہیں آپ ۱
 کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ ۲
 چڑھ کے منبر پر مزا پاتے ہیں آپ ۱
 جو گنہ سے اپنے شر ماتے ہیں آپ ۲
 اسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ ۱
 خلد کو ویران کر داتے ہیں آپ ۲

چھتر کرداغظ کو حالی - خلد سے
 رسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ؟

گوجانی میں تھی تجھ رانی بہت ۱
 نیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا ۲
 ہٹ پہ اسکی اور پین جاتے ہیں ۱
 سر و پاگل آنکھ میں بچتے نہیں ۲
 چور تھار خونیں اور کہتا تھا حُر ۱
 کہہ ہی ہے چاہ یوسف سے صدا ۲
 وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے ۱
 جان نزاری پرہ بول اٹھے مری ۲
 ہم نے ہر ادنیٰ کو اسے کر دیا ۱
 کر دیا چٹ اوقات دھرنے ۲
 گھٹ گئیں غ و تلخیاں آیام کی؟ ۱
 پر جونی ہم کو یاد آئی بہت ۲
 حج ہیں ہر سو تماشائی بہت ۱
 راس ہو کچھ اسکو خود آئی بہت ۲
 دل پہ ہر نقش اسکی رعنائی بہت ۱
 راحت اس تکلیف میں آئی بہت ۲
 دوست یاں تھوڑی ہیں بھائی ۱
 منہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت ۲
 وہیں فدائی کم تماشائی بہت ۱
 خاکساری اپنی کام آئی بہت ۲
 تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت ۱
 یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت ۲

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو

راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت

نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بیل

کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاِ شبِ وصل

ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں میں سارے نمازی ہتھار

اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخِ منصور سے کچھ یا نہ کچھ

صوت۔ اور آپ بے غیبِ بشر کی صورت

داغِ دلِ آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے

یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبرِ زلزلہ قانع کو کہ کیا چیز ہے جرح

اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسہ زلزلہ کی صورت

میں بچا تیر حواشی سے نشانہ بن کر

اڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اُسکے فرا۔ درو میں اُس کے لذت

تاصحوا اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حلمہ اپنے پہ بھی اک۔ بعدِ ہر میت ہے ضرور

رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
رہناؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا

راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بٹیرا سو بار

پڑ ڈرائی ہے بہت آج بھنور کی صورت

آنکھو حالی بھی مٹاتے ہیں گھراپنے ہمان

دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت

جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بے کل

شبِ وعدہ ہے بارِ عام اُنکے دہر

غمِ دل نے رُسوا کیا ہم کو آخر

ہر اس ریش پر و ستمہ کیا خوب کھلتا

یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا

یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھ کر کو قتلِ حالی کو دیکھو

مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچھا

پہنچ رہی ہے کان میں یاں لے وہی

ناؤ ہے بوسیدہ اور وجہیں میں سخت

اک کہانی پیرزن کی رہ گئی

دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں

دل کو یہ کیسی لگا دسی تو نے چاٹ؟

اور منہ نے کسی بدے میں ٹھاٹ

اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ

راج کسر کے کار ہا باقی نہ پاٹ

ہر مگر یاں جی کچھ اسے زاہد اچاٹ

جسکے تجسکو بنا دین اسے امیر
 رقیس رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر
 برق منڈلاتی ہے اب کس حسینہ پر
 تیغ میں بُرش یہ اسے حالی نہیں
 چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہو کون
 میں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
 سب بھانڈوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
 ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
 جھقد بیری زباں کرتی ہو کاٹ
 شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے پاٹ
 ش

باپکا ہو جھی پس و ارث
 گھر ہنرور کا نا خلف نے لیا
 فاتحہ ہو کہاں سے میت کی
 ہوں اگر فوق کسب سے آگاہ
 خاک کرمان گور و خلیش و تبار
 و اعطو دین کا خباہ قظ
 قوم یہ پرستے دین بکس ہے
 ہم یہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھو کر حریف
 جیسے مردہ کے مال پر وارث
 تیرا ہے کون اسے گروارث
 لینگے ڈھوکے سیم و نذر وارث
 کریں میراث سے حذر وارث
 ایک میت اور اس قدر وارث
 انہیں سیار کے ہو تم اگر وارث
 گئے اسلام کے کدھر وارث
 جیسے مردہ کے مال پر وارث

تیرا ہے کچھ اگر حالی
 کیوں میں میت پر فوج گروارث

بھید و اعظا! اپنا کھلوایا عبث
 جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
 شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
 کوئی نیچھی آکے اب پھٹا نہیں
 دل جلوں کو تو نے گرایا عبث
 رات ہر یاروں کو چھوایا عبث
 سب کو ملزم تو نے ٹھیرایا عبث
 آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث
 تو نے زاہم کو شرایا عبث

کھیتیاں جلکر مہیں یارو کنی خاک
 ابر ہے گہر کر ادھر آیا عبث
 قوم کا حالی بینا ہے محال
 تم نے رو رو سب کو روایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
 بول کر ہنسنے سننے کی کھائی آج
 چُب پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
 بات بگڑی بنی بنائی آج
 شکوہ کرنے کی نونہ تھی اپنی
 پر طبیعت ہی کچھ بھڑائی آج
 بزم ساتی نے دی الٹ ساری
 خوب بھر بھر کے خم لٹھائی آج
 معصیت پر بے دیر سے یارب
 قطعہ لفس اور شرع میں لٹائی آج
 غالب آتا ہوں لفس دوں یا شرع
 دیکھنی ہے تری خدائی آج
 چور ہے ولیں کچھ نہ کچھ یارو
 نیند پھر رات بہر نہ آئی آج
 کل یہاں کاروبار میں سب بند
 کر لو کرتی ہے جو کمائی آج

زور سے الفت کی بیج کے چلنا تھا

مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں میں سب شکوہ سچ
 یہ بھی ہو یا رو کوئی رنجوں میں رنج
 رنج و شادی یا کس میں سب بڑبٹات
 اور اگر سوچو تو شادی ہو نہ رنج
 تھا قناعت میں نہاں گنج فراخ
 پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ رنج
 فکر و سن ٹہرتے تھے شاید ساتھ ساتھ
 ہیں وہاب پنجاہ جو پہلے تھے رنج
 ہکو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
 جب کبھی جیتے تھے ہم اسے بذلہ رنج
 آگئی مرگِ طبعی ہکو یا د
 شاخ سے دیکھا جو خود گر تا رنج

راو اب سیدھی ہے حالی کے دوست

ہو چکے طے سب خیم و پیچ و شکنج

بزمِ نئے اچھی ہے۔ گو دنیا ہے اے میوہ پھل
 یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھریا پھل
 نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر و عقل ہویش
 ایک دشمن بر سر کیوں ہو تو ہیں سب یا پھل
 شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
 ہر یہ سب اونچی دکان اور رونق بازار پھل
 شاہد معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
 سجدہ و سجادہ پھل اور جُستہ دستار پھل
 ہو گرجتے جسدِ راتنے برستے تم نہیں
 اے فصیح! ہے یہ سب گفتار بے کردار پھل
 روئی تو آٹھ آٹھ آنسو ادبِ پیچا دل نہ ایک
 نکلے موتی تیرے سب ادبِ چشم گوہر بار پھل
 خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردارِ خوار
 کر دیے آفاق کے سب خان و خواں سالار پھل
 ہے ادبِ سند پہ۔ جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
 ہٹ کے منہ سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار پھل
 گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے پھل
 کاشش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب چار پھل
 کاٹے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح

جو سدا رہتے ہیں چولس پاس بانوں کی طرح
 منزل دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
 رہتے ہیں وہاں سر میں یہ بانوں کی طرح
 سچی سے اکتاتے اور محنت سے کینا تے نہیں
 بھیلے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
 رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرمانروا
 نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
 شادمانی میں گذرتے اپنے آپ سے نہیں
 غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
 رہتے ہیں ممکن جوانی میں بڑھاپے سے سوا
 رہتے ہیں جو نچال پیری میں جوانوں کی طرح
 پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
 پر بھلا سکتے ہیں ایک اک کا بچانوں کی طرح
 اس کھیتی کے پھینپنے کی انھیں ہو یا نہ ہو
 ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
 ان کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہو پیار
 ہر بانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح
 کام سے کام اپنے ان کو ہو عالم نکتہ چین
 رہتے ہیں بتیں دانتوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
 دن بسر کرتے ہیں یوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجے کیا حالی - نہ کیجے سادگی گرا اختیار
 ہلستا آئے نہ جب رنگیں بیانون کی طرح

خ

مے مٹاں کا ہر چمکا اگر بڑا اے شیخ تو ایسی ہی کئی چاٹ اور دے لگا اے شیخ
 ریا کو صدق ہے ہر جام مے بدل دیتا تھیں بھی ہر کوئی یا ایسی کیا اے شیخ
 وہ کھلے بھان تہی جو بناتے تھے اکسیر تماشے دیکھے ہیں یہ ہننے بار ہا اے شیخ
 غور و غور و غور غنا میں فسق ہو کیا؟ بھی یہ رکھتے ہیں ہم منحصر تہا اے شیخ؟
 زباں پہ ہوتی ہو مہر انکی جو میں محرم راز پھر ایسا کیسو ہرگز نہ ادعا اے شیخ
 خبر بھی ہو تھیں؟ کیا بن رہی ہو بیڑے پر قطعہ ہیں آپ جو سے بیڑے کو نا خدا اے شیخ؟
 وہ ڈوبتوں سے الگ تھے ہیں تیرا ک شادری کا یہی گریہ مر جا اے شیخ
 گوزن و گور ہیں بچپن سے تار کب دُنیا نہایت آپکی ہو - اُن کی ابتدا اے شیخ
 کمال حسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی
 پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ!

د

شادی کے بعد غم ہے فقیر ہی غنا کے بعد اب خوف کسوا ہر دھار کیا رجا کے بعد
 ہو سامنا بلا کالپس از عافیت ضرور ہوتی ہو عافیت کی توقع بلا کے بعد
 تعزیر جرمِ عشق ہے بے ضرر و محاسب بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد
 گرد و دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا آتی ہو دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
 یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
 کرتے رہے خطائیں نہ امت کے بجا ہم ہوتی رہی ہمیشہ نہ امت خطا کے بعد
 آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد

بدلت سے بھی دُعا کہ "ہوں بدنام شہر شہر" بارے ہوئی بٹول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش

دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہو رہا اے زاہد

تیرا قبلہ ہے جد امیر حب اے زاہد

درگزر گرہنیں کرتا وہ گنہگاروں سے

تو ترا اور کوئی ہو گا خدا اے زاہد

ہم دکھا دیں گے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور

کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد

قرب حق کے لئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہو ضرور

تھک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

میں تو توباریطوں دل نہیں مِقام سے

تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطائے زاہد

جال جیتک ہے یہ پھیلا ہوا دینِ داری کا

فکرِ دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیبِ حالی کے بہت آج کئے تو نے بیاں

ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

و

پاس تیری بوئے ساغر سے لذت بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذت

جس کا تو قاتل ہو پھر اس کے لئے کونسی نعمت ہے خنجر سے لذت

حلف ہو تیری طرف سے یا عتاب ہو کہ ہے سب شہد و شکر سے لذت

قند سے شیریں تری پہلی نگاہ
 جھانچ میں جس بھوک کی بھوسے نہ تو
 دوسری قند کر سے لذیذ
 بھوک ہے وہ شیریں دہ سے لذیذ
 بے یہ تجھ میں کس کی بوساں صبا
 بے یہ بیک شک و غبر سے لذیذ
 جو قناعت کے ہیں حالی مہسان
 ان کو فائے ہیں فرغ سے لذیذ

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر
 رہیں نا آشنا زمانہ سے
 وہی اصرار ہے خطاؤں پر
 حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
 رہ رو با خبر ہو کہ گسان
 رہ نئی کا ہے رہناؤں پر
 ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہو کیا
 مرتے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
 اسکے کوچ میں ہیں ہلے پڑ بال
 اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
 شہسواروں پہ بند ہے جو راہ
 وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر
 نہیں منع کو اس کی بوند نصیب
 مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
 نہیں محدود بخششیں تیری
 داہروں پر نہ پارساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی

کیجے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں تو سب طرح سے جلوہ گر
 جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار
 ایک ہوتا ہے اگر ہم میں مہنر
 عیب کوئی کہ نہیں سکتے اگر
 دوست اسکے ہیں نہ اسکے آشنا
 گو بظاہر سب ہیں شیر و شکر
 خصلتیں دو باہ کی کہہ سکتے ہیں ہم
 گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر و سر
 اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
 کرتے ہیں نفرت بدی کو جھڑ
 کرنی پڑتی ہے کسی کی طرح جب
 کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم
 کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی
 ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب
 عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو
 خیر کا جو تاج ہے ظن غالب جہاں
 بنتے ہوں یاروں کے ناصح تاکہ ہو
 دوست اک عالم کے پر مطلب کو دست
 عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون

خواہش تھیں ہے حضرت کو مگر
 ہوگی نہ قدر جان کی قربان کئے بغیر
 دام اٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کئے بغیر
 بن آسے گی نہ درد کا درمان کئے بغیر
 یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کئے بغیر
 مبروص کو رہے گا نہ عریاں کئے بغیر
 چھوڑے نیکی نچاں کو نہ بیجاں کئے بغیر
 مشکل کو ہم ٹھلیں گے نہ آساں کئے بغیر
 اسے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کئے بغیر
 چھوڑے گا وقت انھیں نہ مسلمان کئے بغیر

حالی کئے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستون
 حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

گھر ہے وحشت خیر اور بستی آ جاڑ
 ہو گئی ایک اک ٹھٹھری بچہ بن پساڑ

آج تک قصر اُل ہے نامتسا م بند چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ
 ہے پونچنا اپنا چوٹی تک محال اسے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
 کھینا آتا ہے ہم کو بھی شکار پر نہیں زاہد کوئی ٹہی کی ۲۷
 دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے سوشتاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
 عید اور نور روز ہے سب دل کے ساتھ دل نہیں حاضر تو دُنیا ہے اُجاڑ
 کھیت رستے پر ہے ادھر ہنر و سوار کشت ہے سرسبز ادنیٰ ہے پاڑ
 بات واعظ کی کوئی پکڑ سی گئی ان دنوں کتر ہے کچھ ہم پر لٹاڑ
 تم نے حالی کھول کر ناحق زبان
 کر لیا ساری حذائی سے بگاڑ

عہد وصال دل سے بٹلایا نہیں ہنوز عالم مری نظریں سے پایا نہیں ہنوز
 پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز جھوٹکا نیم مصر کا آیا نہیں ہنوز
 لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں کہیں ہم جسکو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
 آیا ہوگا اس کو تغافل میں کچھ فرا ذوق نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
 ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا اس نے نقاب رخسے اٹھایا نہیں ہنوز
 یاں دے چکی جواب امید جواب خط داں نامہ برے بار بھی پایا نہیں ہنوز
 پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا کافر نے اخلاط بڑھایا نہیں ہنوز
 کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد بھولے ہیں کہ تجھ کو بھٹلایا نہیں ہنوز
 سرمایہ خلافت دو عالم ہے راز دل باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز
 کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اس قدر
 حالی نے جامِ مُنہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
 عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر باز دل کی
 زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ مٹی
 چاہت اک طلعتِ مکروہ ہو برقع میں نہاں
 ہاتھ ملنے ہنوں پیری میں اگر حسرت سے
 جتنے رُمنے تھے تری ہو گئے دیراں عشق
 کوچ سب کر گئے ولی سے ترے قدر شناس
 تذکرہ و ملی مرعوم کا اے دوست نہ چھڑ
 داستانِ گل کی خزاں میں نہ سناؤ بلبل
 ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
 صحبتیں اگلی بصورت ہمیں یاد آئیں گی
 موجزوں دلیں ہیں۔ یا غن کو دریا احشام
 لیکے داغ آئینہ گیسٹے پہ بہت اویسیاں
 چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا بہ خاک
 مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی اب تو
 وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی نہیں بھول گئے
 جسکو زخموں کے حادثے کے اچھوتا سمجھیں
 ہکو گرتوں نے لایا توڑ لایا اے چرخ
 یا رخِ دور وین گے کیا اپنے جہاں روتا ہے
 آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
 بخت سو ہیں بہت جاگ کر اوی دورِ زماں

دوست تو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
 دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
 دُومیں تیر صفِ ہرگاں کی نہ جانا ہرگز
 کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
 توجوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز
 آکے دیرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
 قدریاں رھو کے باپنی نہ گنونا ہرگز
 نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز
 ہنستے ہنستے ہیں ظالم نہ لانا ہرگز
 درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
 کوئی دلچسپ موقع نہ دکھانا ہرگز
 دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
 دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
 دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز
 اے فلک اس زیادہ نہ مٹانا ہرگز
 ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زانا ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
 ہم پہ خیروں کو تو ظالم نہ ہسانا ہرگز
 اُن کی ہنستی ہوائی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
 نہ ابھی مین کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاس رخصت ہو سو کر کہیں اور عیش و نشاط
 کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تھا ارادتی
 شاعری مر علی اب زندہ نہ ہوگی یارو
 غالب شفیقتہ و نیر و آذر دہ و ذوق
 مومن علوم و صہبائی و مومن کے بعد
 کر دیام کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
 داغ و مجروح کو سن لو کہ چہ اس گلشن میں
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
 نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کے اسے جی نہ کرنا ہانا ہرگز
 اب دکھائی گئی شکلیں نہ زمانا ہرگز
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
 ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
 نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز
 اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں - بزم سخن ہے حالی
 یاں مناسب نہیں رورو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز
 عشق کی آغوش میں پاتا ہوں
 شیخ! اللہ سے تیری عیاری
 اک پتے کی جو پہننے کدی آج
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری
 آج منکر بھی نواح اٹھیں گے
 خیر ہے اے فلک کہ چار طرف
 رنگ بدلا ہو ہے عالم کا
 ہوتے جاتے ہیں زور من ضعیف
 پہننے دیکھے بہت ثنیب و فراز
 دل فزا دیکھتا ہوں جس کا گداز
 کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
 رنگ و اعظا کا کر گیا پرواز
 تو گئی بھول ہم کو خاک حجاز
 گر منتی کی ہے یہی آواز
 چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
 ۱ ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
 ۲ بننے جاتے ہیں منزل ممتاز
 ۳

۱ یہ قتلہ اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سرحد - نامہ نگار

اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہونچا - ۱۲

۴ چھتے پھرتے ہیں کیکٹیتو سے ۴ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے ہنتوں کو رگدڑ میں خط ۵ رہنروں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
 ٹڈیوں کا ہو کھیتوں پہ ہجوم ۶ بیٹریوں کے ہیں خون میں ترلپ آرز
 ناوانوں پہ گد ہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں ہیز تیر انداز
 تشنہ خون میں بھوکے شیروں کے ۸ جیلہ گر روہون کے عشوہ ناز
 دشمنوں کے ہیں دست خود جاسو ۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
 ہوگا انجم دیکھے کیا کچھ ۱۰ ہے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
 لے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آ رہی ہے کچھ آواز
 دقت نازک ہے اپنے پیرے پر ۱۲ موج ہائل ہے اور ہوانا ساز
 یا پھٹیرے ہوا کے لے ابھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں دوب جہاز
 کام اُسے اپنے سوئے وصالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور اسناں
 ہر وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
 رکھتے ہیں عاصی کسند ضیہ عفراں اپنے پاس
 عاجزوں سے مقدر کرتے ہیں اکشر درگذر
 عجز اپنا ہے کلید باب رضواں اپنے پاس
 ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطان اپنے پاس
 یام بتلایا بلبند اور نار سا بخشش کشت
 رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں بہتے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
 در نہ ہے ہر درد کا موجود در ماں اپنے پاس
 دست بردا ہر من کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
 ہے بھگداند وہ ہر سیریلیاں اپنے پاس
 دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
 ہے یہ دشا ویز استخلاف رحاں اپنے پاس

چھتر اب نہ اے تصور مرقان یار بس کافی ہے خار خار غم روزگار بس
 یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے غمخواری اپنی رہنے دے غمخوار بس
 ہر داغ فصل گل کی نشانی ہے صبا گلگشت کو بہت ہے دل داغدار بس
 ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نچائیں اے آسیات گردش لیل و نہار بس
 دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس
 اتنا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر کی نیند کیوں حرام بس اے استغفار بس
 توڑ ہی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
 حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو ہم بر سر ایام ہے در پیش
 عقلت ہے کہ گھیرے ہو ہے چار طرف سے
 وہ دن گئے جب تھا مرض صعب کا آغاز
 گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت
 وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا
 امید نہ تھا کہ تو جواب آہی چکا ہے
 بننا نظر آتا نہیں جو کام ہے در پیش
 اور معرکہ گردش ایام ہے در پیش
 اب اس مرض صعب کا انجام ہے در پیش
 پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے در پیش
 اب وقت خار نے گل نام ہے در پیش
 اب موت کا سنا ہمیں پیغام ہے در پیش

جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں نہ ہمار
ظاہر ہو کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو اس میں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زال و نیا سے ۔ مگر

رہن دل میں ابھی اس کی ادائیں خاص خاص
گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل
یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص
زہر و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دُعائیں مستجاب

وقت میں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص
یوں تو ہے امید سب کچھ ۔ پر ہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں ہمیں اسے حالی خطائیں خاص خاص
درو۔ اور درو کی ہر سب کے دوا۔ ایک ہی شخص

یاں ہے جلا دوسرا نجد ایک ہی شخص
خو روغیلاں کے لئے لائیں دل آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یاں عمدہ برا ایک ہی شخص
قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت و اعط

ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص
قیس سا پھر کوئی اٹھتا نہ بنی عام میں
فخر ہوتا ہے گہرا نے کا سد ایک ہی شخص

جھگٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے آن لکھوں
 آج ویسا کوئی دے ہو کہ دکھا ایک ہی شخص
 گھر میں برکت ہو۔ مگر فیض ہی جاری شب روز
 کچھ سہی شیخ۔ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص
 اعتراضوں کا زمانہ کے ہی حلیٰ پہنچو
 شاعر اب ساری خدائی میں ہو کیا ایک ہی شخص
 ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض
 دل میں ہے اے خضر گر صدق طلب
 چرخ گرداں کو سکون سے کیا غرض
 راہرو کو رہنمائی سے کیا غرض
 گھر کے محراب دستوں سے کیا غرض
 ان کو جنگ و آغوشوں سے کیا غرض
 ہم کو تفتیش دروں سے کیا غرض
 ہم کو اپنے اشکبازوں سے کیا غرض
 عشق سے ہے مجتنب زابہ عیث
 شہر کو صید زبوں سے کیا غرض
 کر چکا حبشہ تخت و تاج
 اب اسے دنیا کے دوس سے کیا غرض

آئے ہو حالی پہ تسلیم یاں

آپ کو چون و چگون سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض
 چاہئے ایک سب کا ہو مقصود
 دوستوں ہی کا کام ہے اغماض
 گوہوں سب کے جدا جدا غرض
 لہ یا د میں تیسری سب کو بھول گئے
 دیکھئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش
 اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

سلا ابائی بآن یعا بتی

مشمول بذل خیر میں یہ دیر

حق میں اپنوں کے سخت ممک ہیں

راے ہے کچھ علیل سی تیری

و غلط میں گل کترتے ہیں اعط

ہو نیتوں میں اور ہم میں نزاع

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد

شیخ کی بقی یہ آخری تلقین

چاہئے زر تو اس کرا عراض

ایسی غزلیں سنی نہ عقیں حالی

بہ بکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گزرنی ہو چکا دور نشاط

دل خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر

و ن اب ایدل منقبض رہنے کو ہیں

فصل گل کی بقی فقط اتنی بسا ط

جانیو دوا غلط اسے راہ صراط

ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط

کوئی کی حالی کر دتیا ریاں

ہے قوی میں دم دم اب اخطا ط

نبا

چھپے ہیں حرفیوں میں احسرا ردا غلط

بڑا کہ نہ رندوں کو زہنسا روا عطا

سدا قمر ہی قمر ہے عاصیوں پر

نہ مستار ہے تو نہ غفار و اعطا

بیکل آئے گی نیکیشی کی بھی حلیت

کوئی مل گیا اگر ہمیں یار و اعطا

کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیسکن

ستار ہے کہ ہوتے ہیں عیار و اعطا

ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بطن

یہ جچہ۔ یہ ریش اور یہ دستار و اعطا

نہ چوڑے گا زور گھسروں میں نہ نہ تو

ہی ہے اگر سن گفتار و اعطا

مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے

ہوئے بات کہہ کر گنگار و اعطا

ع

اے بہار زندگانی الوداع اے شبابی شادمانی الوداع

اے بیاض صبح پیری السلام اے شب قدر جوانی الوداع

السلام اے قاصد ملک بقا الوداع اے عمر فانی الوداع

روزگار صفت دوستی السلام وقتناستی و جانفشانی الوداع

فرصت عشق و جوانی الفراق ۱ دور عیش و کامرانی الوداع

تجھ کو سچے نغمے جاوداں ۲ اے نغم جاودانی الوداع

تیرے چائے میں گہیں سچے بیاں ۳ اے خدا کی مہربانی الوداع

آنگا حالی کنارے پر جہاں
الوداع اسے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ
دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر داغ
ہے تاک میں عقاب تو شہبانہ گھات میں
حلے سے یاں اہل کے نہیں ایک دم فراغ
یار بگواہ بد سے چمن کو چپائیو
بیل بہت سا ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ
دو چار گام نقش قدم مل کے رہ گئے
آگے چلا نہ آہوئے مشکیں کا کچھ سُر ارغ
آئیں ہمیں وہ شوق سے جواہل ظن ہوں
ساتی بھرے کھڑا ہے مئے محل سے آیا غ
جنگل میں تختہ گل خود رو کو دیکھ کر
تاند دھواڑا نہ کی نافریوں کا داغ

حالی بھی پڑتے آئے تھے کچھ ہم شعر میں
باری تب اُن کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملا نہ کچھ بتایا صاف
اور نہ ہونی سنے کچھ دکھایا صاف
آنگا اپنی ہی جیب تلک نہ کھلی
میر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دیکھا نہ میں کسی کی ہم
صاف تھی آپ سب کو پایا صاف

زاہد ہم تو تھے ہی آلودہ تنکو بھی ہنسنے کچھ نہ پایا صاف
 کیوں نصیحتوں سے ٹک گئے حالی
 بھید تم سے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں یار کے لایق نہ اپنا کلہاڑا ہزاروں یار کے لایق
 کر گیا کیا ترا کھل اچھا ہر اسے کمال نہیں یہ اکٹھے ہی دیدار یار کے لایق
 مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ بہت ہو زندگی مستعار کے لایق
 غرور و حرص میں زیور عروس دنیا کے بتاؤ تھے یہی اس نابکار کے لایق
 کر سے گی باد بہار آ کے بسا کسی بہر نہ رہا نہ باغ قدوم بہار کے لایق
 بس اب ہے فضلہ رو باد گریگ پریک نہ رہا نہ شیر زیاں خود کشکار کے لایق
 گنہ گار عذر کریں غلبہ ہم آنکھوں سے ہمارے جرم ہوں گرا عتذار کے لایق
 گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہو حالی تمہیں تو شہر میں ہوا اعتبار کے لایق
 یہ ہنسنے مانا کہ تم میں بہتر بھی ہیں کچھ مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لایق

ک

دلوں کا کوٹ اگر کہنے بر ملا ایک تو آتش سے ہو بیگانہ آشتی نا ایک ایک
 سلامتی کو وہاں قافلوں کی روٹھیں جہاں ہو راہزین خلق رہنا ایک ایک
 زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر بنا ہو غوثِ زمان آجکل گدا ایک ایک
 رہا ہوں رہندہ بھی اسی شیخ پارسا بھی میں مری نگاہ میں ہو رہندہ پارسا ایک ایک
 وفا کی ایک بچھی سے امید ہو اُس وقت کہ یار یار سے ہو جائیگا جہاں ایک ایک
 پچھپا کیے اس سے قہر اپنی ہم بہت سہرا جیٹ پٹھان سے لگی بولنے خطا ایک ایک
 ہوا نہ ایک بھی حق اسکی بنائی کا ادا کیا ہو جس نے حق خواجگی او ایک ایک

امیرِ حاج کی تہمت میں گرنے آئے مقدر تو میں بھر ہو کشتی کی ناخدا ایک ایک
 ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو دسویں جیسے اڑا لے گئی ہو ایک ایک
 بہار نے بھی نہ نبیل تری بھائی آگ جگر کے پانی ہے ابھی تری نو ایک ایک
 وہ عشق ہو نہ جوانی۔ وہ تو ہوا بار نہ وہ ہم پہ دل پہ نقش ہو اب تک تری او ایک ایک
 نہ ہم رہیں گے نہ حالی۔ پہ پھر اش جہاں
 رہی حالی دلگیر کی صدا ایک ایک

عالمِ آنداوگاں ہو اک جہاں سب سے الگ
 ہو زمین اُن کی اور اُن کا آسماں سب سے الگ
 پاک ہیں آلائشوں میں۔ بندشوں میں بے لگاؤ
 رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ
 دوست کے ہیں جاں نثار اپنا ہوا بیگانہ ہو
 ہے عشیرہ اور اُن کا دودماں سب سے الگ
 سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
 ہم کوئی بھییدی اور اُن کا راز دار سب سے الگ
 جانچتے آدروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان
 رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب سے الگ
 اک چمن بہرِ تفرج رکھتے ہیں زیرِ بغل
 روضہ و بہتانِ فروز میں جہاں سب سے الگ
 کلمہ احزاں ہو روشن اُن کا جس مہتاب
 ہو وہ نورِ مہروماہِ راکشاں سب سے الگ

سکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند

پڑٹولے کوئی دل اُن کا تو اس سب الگ

شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھتے ہوئے

درد مندوں کا ہے دکھ اور بیاں سب الگ

ہاں ہے نایاب پرگاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہو حالی نے دکان سب الگ

صانع ہر اک مہلت سامان جنگ کرتے ہیں بھرے کو یاں خالی تفنگ

عہد گزشتہ پر نہ تھوڑیں کامراں آخر اسکی آشتی لائے گی رنگ

علم کیا - اخلاق کیا - ہتھیار کیا؟ سب بشیر کے مار رکھنے کے ہیں ٹھنگ

روکے بد خو کو بد خوئی سے کیوں آپ اپنی خوش سے آجائے گاتنگ

زہر و مٹا عت پر جو انوں کی نہ جاؤ یہ بھی ہر اک نوجوانی کی ترنگ

پاک بانوں کو نہیں کچھ قید و منع جو ہیں اچھو آن پہ سب کھلتی ہیں رنگ

کام کا سنا یاد نہ مانہ ہو چکا دل میں اب اٹھتی نہیں کوئی آئنگ

وہ عجایب نظر آتے ہیں کھیل دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھو رنگ

کامشوں سے پرورش پاتی ہو روح اب لٹکا کھایا پیا سب آکے انگ

عقل شاید ملک میں باقی ہو کچھ ہوا بھی کم حاصل انیوں و رنگ

بڑھ گیا ہے رسم انسانی بہت ہوگی ایجاد اب نئی توپ و تفنگ

فوم کو حالی نہیں اس اتفاق

چھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہر پہ رنگ

ہر گز نہیں ہم ہی کہہ سہہ و آئیں
یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل؟

رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف اور ابھی ہوتا ہے شاید مبتذل
 اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
 کب تک آخر ٹھہر سکتا ہو وہ گھر آگیا دنیا میں جس کی خصل
 ناؤ ڈوبے یا کسیں کھو یا ہو پار تیری جد بھی ہے کچھ اسے طویل آمل
 اب لگاؤ پود کچھ اپنی نئی لپکے پودے بہت اگلوں کے پھل
 دیکھے بنتا ہے کب تک پاس وضع ہم نہ بولے اور گیا عالم بدل
 کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں وقت کوشش کا گیا شاید نکل
 اب سُنو حالی کے نوے عمر بھر
 ہو چکا ہنگامہ درج و منزل

مدرسہ میں دہر کے رُوبرُفقا بیٹھے تھے ہم
 اُٹھے بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عرشہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
 زائل دنیا سے ابھی ہو کر خسا بیٹھے تھے ہم
 صحبتیں اہلِ درع کی سب گئیں نظروں سے گر
 بزمِ رنماں میں یونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم
 شیخ! دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں گھلی
 ورنہ دھوکا - دور سے دیکھو اسکو کھا بیٹھے تھے ہم
 ہم نہ تھے آگاہِ داغِ زشتِ ندی سے تری
 آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
 سچی کا انجم پہنچے ہی سے آتا تھا نظر

ہاتھ ساحل ہی پہ پڑے سے اٹھایٹھے تھے ہم
 ہمے خود دنیا ہی پتیائی نہ حالی ورنہ یاں
 دین تکائی تہمت میں لگا بیٹھے تھے ہم
 خوبیاں اپنے میں گوبے انتہا پاتے ہیں ہم
 پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم
 خوف کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
 گو کہ دل میں متصل خوف خدا پاست ہے ہم
 کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نالیش کے نہیں
 پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
 گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 دل میں دروغ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
 پر اسے آلودہ حرص و ہوا پاستے ہیں ہم
 ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں و بی
 جرم سے گو آپ کو نادم سب اپاتے ہیں ہم
 ہیں فدا ان دوستوں پر جنہیں ہو صد قرب و دعا
 پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاستے ہیں ہم
 گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خطا
 اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم
 جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
 اپنے میں اگر تہمہ مہر و وفا پاستے ہیں ہم

بجھل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا

گر کبھی توفیقِ بارشِ سار دے ملنا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں سب

دردِ خودِ کامی کو لیکن سب سے دردِ اپنا ہے ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے

حالِ نفسِ دُور کا اتنا ہی نیا پاتے ہیں ہم

جھک رہے جھک کے ملتے ہیں ہر گد و خرد سے

کبر و نازِ اتنا ہی اپنے میں ہوا پاتے ہیں ہم

گو بھلائی کر کے ہم جنسوں سے خوش ہوتا ہی چی

تہ نشین اُس میں مگر دُور نیا پاتے ہیں ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے - مگر

دراغِ رمدانی کے کچھ زبردِ دردِ اپنا ہے ہم

راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں قدم

دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے ہمنے گلے دیکھتے ہیں اسی حالی - مگر

رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

اگے بڑھے نہ قصۂ عشقِ بیاں سے ہم

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بیاں سے ہم

خود رنگی شب کا مزا بھولتا نہیں

دردِ فراق و رشکِ عداوت تک گرا نہیں

جنت میں تو نہیں اگر سے زخمِ تیشہ

سب کچھ کہا - مگر نہ کھلے رازِ دل سے ہم

کچھ دل سے ہیں نہ ہو سکے کچھ سہاں ہم

آئے ہیں آن آپ میں یارب کہاں ہم

تنگ آئے ہیں اپنے دلِ شادمان سے ہم

دلِ شادمان سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اسے منکر نکلیں
 پہنتے ہیں اس کے گریبے اختیار پر
 اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
 کچھ پاگئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں ہم
 دلکش ہر ایک قطعہ صحرائے راہ میں
 ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کارواں ہم

لذتِ ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ؟
 پوچھیں گے جا کے حالی جا دو بیاں ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالی اب سرگرنیاں ہیں
 نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
 یاد اس کی دل سے دھوئے اوجھم تر تو مانوں
 اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
 بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
 الفت کی بھی جاں میں کیا حُکمرانیاں ہیں
 غیبت ہو یا حضور سی دو نو بُری ہیں تیری
 جب یہ گمانیاں تھیں اب بد زبانیوں ہیں
 کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہو تیری
 سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
 رحمت تری غذا ہے غصہ ترادوا ہے

شائیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں
 ہوگا تو پہلے ہوگا اسے چسپنج مہرباں تو
 کچھ ان دنوں تو ہم پر نامہربانیاں ہیں

اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
بے غیرتی کی یاد اب زندگیاں ہیں

روتے ہیں چار ہم پر بہتے ہیں چار ہم پر
یاں تک ہماری پہونچی اب نا تو انیاں ہیں

ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش
حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں

خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی ان کی نشانیاں ہیں

دیکھا نہیں ابھی کچھ خط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آتی آگے گزائیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو جو انواٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گرتم میں ہوں تو جاہیں
گریہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

روتے میں تیرے حالی لذت ہو کچھ نرالی

یہ خوں نشانیاں ہیں یا گل نشانیاں ہیں

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چن نہیں اک آن ہمیں
اب نہ نہیں گئے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں

کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسائش کو
کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلیجان ہمیں

چل کے نی اک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے

زود سے بچیں یا نانات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہیں
پاس انہیں گر اپنا ذرا ہو۔ جان اپنی بھی اُن پر مندا ہو

کرتے ہیں خود نامنصفیاں اور کہتے ہیں نافرمان ہمیں
و اد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو

بتلائی ہے زمانہ نے الضاف کی یہ چچان ہمیں
صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھر تاتھا

دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگئے یاد احسان ہیں
یاں تو بدولت زہد و ورع کے بچھ گئی خاصی غرت سی

بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہیں
سُرتھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بوقت سی تھی

غل تو بہت یاروں نے مچایا پر۔ گئے اکثر ان ہیں
غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں

بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہیں
کی تو ہیں جہنے بھی حالی کوچ کی تیاریاں

سُجھتی ہیں آہ میں لیکن بہت دشواریاں
جو جوانی میں مزادیتی تھیں شب بیداریاں

ناگواراں سو سو اغیروں کی ہیں غمخواریاں
سب کرنی ہو گئی پوری اپنی اپنی باریاں

اتنی بھی ایو عاقلو اچھی نہیں سُہیاریاں
اس پھیلے اہل دنیا کی یہ ظاہر داریاں

گو طبیعت سے گئے سب ماوے فاسد نکل
کم ہو میں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

رازِ دل کی سرِ بازِ خبر کرتے ہیں عقل کی بات کوئی پہننے کی ہر شاید
جہنم خالق سے سوا پاتے ہیں جہنم فقہا کم سے کم وعظ میں اتنا اثر ہو واعظ !
زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب زہاد عیب یہ ہے کہ کرو عیب بہتر دکھلاؤ
غم و رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ جی رکاوٹ سے جو انکی کبھی ٹک جاتا ہے
اک یہاں جینے سے بیزار ہیں یا رب یلیخاں نیت کی توڑی سی رہی ہیں باقی
تیسرے دار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں انظار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھتا ہر طرف نہ مجلس میں دیکھتا ہر طرف نہ مجلس میں
کی نصیحت بڑی طرح ناصح کی نصیحت بڑی طرح ناصح
ہو نہ مینا تو فسق پھر کیا ہو ہو نہ مینا تو فسق پھر کیا ہو
بقدم دم ہیں خانقاہوں میں بقدم دم ہیں خانقاہوں میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چہرے دین اور فقر تھے کبھی کچھ چہرے
نہو قبضے میں جب عنانِ فرس نہو قبضے میں جب عنانِ فرس
جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان

رہنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں رہنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں
اور اک بس ملا دیالپس میں اور اک بس ملا دیالپس میں
چشم انسان و چشمِ زرگس میں چشم انسان و چشمِ زرگس میں
بے عمل علم ہیں مدارس میں بے عمل علم ہیں مدارس میں
اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اس میں اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اس میں
پہنچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں پہنچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں
درویش توڑا بہت نہ ہو جس میں درویش توڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور آدمی - فرشتہ - خدا
 آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
 آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت
 دیکھتے ہو بگاڑ کس کس میں
 کی ہے خلوت پسند حالی نے
 اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

بواہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
 شہر میں ان کے نہیں جنبرِ وفا کی بکری
 کون سے وہ گلِ رعنا پہ نوا سنج نہیں؟
 کبھی نیلی آپہ ہیں مقتول کبھی شیریں پہ خدا
 اٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی ان سے
 عیش میں جانِ فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
 نیتِ نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو
 بواہوس - کام طلب - بندہ نفس - اہل ہوا
 دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے
 بکے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہیں
 کہد و اللہ کہ صادق نہیں رہنا نہیں

پھونکا ہے فصلِ گلِ نعلِ عورت کے چرم میں
 اک حشر سا ہے برپا مرغانِ نعمتہ زن میں
 بیل کے آگ سی کچھ تن میں لگ رہی ہے
 بجلی گرمی فلک سے یا گل کھلا چمن میں
 بادِ صبا گئی مٹھونک کیا جانے کان میں کیا؟
 پھولے نہیں مالتے غنچے جو پیرہن میں

چب ہے زبانِ سوسن حیراں ہے چشمِ زرگس
 قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین دشن میں
 ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 پڑنی ہے جان باقی بس سرود ناروں میں
 ہے عید اہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں
 جنگلِ بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں
 منہ سے دھواں سا اٹھا۔ لیتے ہی نامِ اسلام
 بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
 پھر زخمِ چھوٹ نکلا۔ حالی نہ چھٹیر نا تھا
 فصلِ خنراں کا قبضہ ذکرِ گل و سمن میں
 گورو چکے ہیں دکھڑا۔ سو بار قوم کا ہسم
 پرتازگی وہی ہے اس قصہ کہن میں
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدیرِ انجمن تھی
 تم نے سنا بھی؟ اسپر کیا گذری انجمن میں
 پائینِ نرم بھی اب تلتی نہیں اسے جا
 رُوندن میں ہو وہ گلبن پھولا تھا جو چین میں
 رُزہ کی جون میں ہے مرغوب اب وہ تلت
 تھی سہناک کل تک جوشیر کے بزن میں
 وہ دین گئے کہ حکمت تھی مستنہ میں کی

۱۵۔ یں کی نسبت حدیث میں آیا کہ "اَلْاِيْمَانُ يَمَانٌ اَيْحَكْمَةٌ مِّمَّا يَمَانُ" یعنی ایمان جو تو میں کا ہو اور
 حکمت جو تو میں کی ہو۔ اسی بنا پر میرا فردا ماننے اپنے فلسفہ کا اُم حکمتہ یا تیر رکھا ہو۔ ۱۲

ہے اب بجائے حکمت خاک اڑ رہی مین میں
وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے

ہے کال موتیوں کا اب سرسبز عدن میں
قبر اولیس پہ ہے بس فخر اب قرن کو

زندہ اولیس کوئی باقی نہیں قرن میں
اس بارغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اڑا دی

فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں
ڈالی نہ ہو گی آگے اے دور چرخ شاید

جواب کے تو نے ہل چل ڈالی ہے انجمن میں
فوج اور بہیر دونوں پھرتی ہیں بے سری سو

گویا امیر شکر مارا گیا ہے زن میں
خرد و بزرگ سائے ہیں بدحواس گویا

لٹنے کی قافلہ کے پہونچی خبر وطن میں
بھولی ہوئی ہیں ارین ہرنون کی چوکڑی سب

جائیں کدھر کہ ہر سو دؤں لگ ہی ہو بن میں
حالی بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی

مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں
نوک زباں نے تیر ہی سینوں کو چھید ڈالا

ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہو زباں نہیں میں
ہو جستجو کہ خوب سے ہو خوب تر کہاں

ہیں دور جام اول شب میں خود سی دھو
ہوتی ہو آج دیکھے ہم کو سر کہاں

یارب اس اختلاط کا اجسام ہو چکے
 اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو پیش عشق
 بس ہو چکا بیان کسل و رنج راہ کا
 کون و مکان ہے دل و حشری کنارہ گیر
 ہم جب پرے ہیں وہ ہوا بات ہی کچھ اور
 ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
 حالی نشاطِ نغمہ وے ڈھونڈتے ہو اب

آئے ہو وقتِ صبح رہی رات بھر کہاں
 خزاں کو لگے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں
 نہیں کچھ منہصر دلتگی زلف پریشاں میں
 جو دل چاہے تو کچھ اک خیالِ دیو چاں میں
 اگر چھوڑا کندہ جذبہ عشق زلیخا نے
 نہ رہنے دیکھا حُسنِ دنیا و نطفِ کفلاں میں
 تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو
 نہ کچھ کلفت ہے زندانِ شکر کچھ احتِ شبتاں میں
 خوشی میں بھی نہیں ہنا خوش اتنا ایک حالت پر
 کہاں تک ہی نہ گھبرائے الٹی رو بہر جاں میں
 زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
 نہ پوچھو ہے کیا دیکھا ہے پہنچے نرم رنداں میں
 فلک سو جیتی ہی معلوم۔ ملنا کام دل ای حاضر
 سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آہستاں میں
 نہ چھوڑے گی محبت یا رے ناکام عاشق کو
 نیم مصر کو آنا ہے اک دن بیتِ احزاں میں
 گل و نسیرن تو کیا۔ فرقت میں جی کھپٹ جاتا
 ہمارا بھی کبھی گلستاں تھا دل سیر گلستاں میں
 بہت دن چاہیں یوسف کو تاپنے زلیخا تک
 نکل کر چاہے کفلاں ابھی رہنا ہے زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصت سیر جہاں اکدم

رہی ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیا باں میں

اب وہ اگلا اس التفات نہیں جبہ بھولے تھے اب وہ بات نہیں

مجھ کو تم سے پراعتقاد و وفا
 بچ کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
 یونہیں گزرے تو سہل ہے لیکن
 کوئی دلسوز ہو تو کیسے بیباں
 ذرہ ذرہ ہے منظرِ غورِ شہید
 جاگ اسے آنکھ دن پرکات نہیں
 تم کو مجھ سے پراثفات نہیں
 زندگی موت ہر حیات نہیں
 فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں
 سرسری دل کی واردات نہیں

فتیس ہو کو بہن ہو یا حالی
 عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل بنھنا غم بھراں میں نہیں
 کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکر وصال
 سہنے کی سیرِ عینِ غور سے اسی بکبل زاد
 عشق نے مصر میں سو بار زینچا سے کہا
 محاسب! صدق و صفایاں جو آئین کے دم
 باں بھی ہو کون و مکان سے دل و حشری آزاد
 ٹھہرتے ٹھہرتے دل یوں ہی ٹھہر جائے گا
 کس طرح اُسکی لگاؤ کو سناوٹ سمجھوں
 دی ہو دعا عظمیٰ کن آداب کی تکالیف نہ پوچھو
 آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت کے نہ جائے
 بے قراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ
 چاکل میں ہوئے جو کہ گریباں میں نہیں
 اک مزار تھا سو وہ اب کاوشِ بہان میں نہیں
 بات چھتی ہوئی کوئی گلِ ریحان میں نہیں
 فتنہ دہر ہے جو سن وہ کنکناں میں نہیں
 مصلحت برہمی صحبتِ رنداں میں نہیں
 جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
 بات جو آج ہو وہ کل غم بھراں میں نہیں
 خط میں لکھا ہو وہ العاجِ عنوان میں نہیں
 ایسے الجھاؤ ترے کا کل بچاں میں نہیں
 اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصان میں نہیں
 اب وہ اگلی سی درازی شب بھراں میں نہیں

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہِ باز

یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلمان میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں
 شادی و صل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

خبر دہی کے لئے نہشتی خوجھی ہے ضرور
 قول لینے میں تامل نہ قسم سے انکار
 کل خرابات میں اک گوشہ سہمی آتی تھی صدا
 حق ہو اس سے ادا اس کی وفاداری کا
 دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کون سی راہ
 ہونگے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سنکر
 جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

میں تو میں غیر کو ملنے سے اب انکار نہیں
 کچھ پست امتیاز مقصود کا پایا ہم نے
 چشم بدور بہت پھرتے ہیں اعیار کے ساتھ
 ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
 مدلوں رشک نے اعیار سے ملنے نہ دیا
 اصل مقصود کا ہر جن میں ملتا ہے پتا
 بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
 سچت مشکل ہے کہ وہ قابل اظہار نہیں

دشت میں تھا خیال گل ویا سمن کہاں
 ہے ہندگی کے ساتھ یہاں فوق دید بھی
 اہل طسلیق جسکو سمجھتے ہیں زاور راہ
 فصل خزاں کہیں میں ہو صیاد گھات میں
 لاتا ہے دل کو وہر میں اک حرف آشنا
 جی دھونڈتا ہی بزم طرب میں انھیں مگر
 لائی ہے بوئے انس نسیم چمن کہاں
 جا بگا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
 واں دخل دست برد کو ای راہزن کہاں
 مرغ چمن کو فرصت سپر سپن کہاں
 لیجائے ہم کو دیکھئے ذوق سخن کہاں
 وہ آئے انجن میں تو پھر آئسمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا اب ہم کہاں ہو اے نشاطِ وطن کہاں
 کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد فن کہاں
 روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
 جاتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کہاں

کہاں فکر میں اب وہ جولانیاں وہ دریائے معنی کی طغیانیاں
 کہاں وہ ملکیت کی رنگینیاں وہ بزمِ سخن میں بگل افشانیاں
 کہاں اب وہ چلبھوس اجانب کے سخن بچیاں اور سخنِ رانی کی افشانیاں
 دکھائی جو نہیں دیر گردوں نے آنکھ گئے بھول ساری غزل خوانیاں
 جھکے بن زمانہ سے بنتی نہیں رگڑتی ہیں یہاں سب کو پیشانیاں
 لگے بڑھنے جب کہ ہوش و خرد تھا لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
 بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی بدل سے وہ بچپن کی نادانیاں
 اگر راست گوئی کی جرأت نہیں تو جھوٹی ہیں واعظ کی لسانیاں
 منادی نہیں حق کی کچھ دل لگی بہت یاں ہیں درکارِ قربانیاں
 گئے جھیل چپ چاپ گر نکلیں یہی شکلیں ہیں پھر آسانیاں
 ہونا پید جس ملک میں اتفاق ہیں آبادیاں وہاں کی دیرانیاں
 بہرے خرقہ پوش اب کوئی اور رُپ یہ شکلیں تو ہیں جانی چچانیاں
 دُہی لے گئے یہاں سے زادِ سفر گئے جھاڑ جو اپنی ہمانیاں
 لگاؤ نہ اس دارِ فانی سے دل تعلق عیاں اُس کی ہیں سست پیمانیاں
 جو یہاں آج ہے جوشِ عیش و نشاط تو کل حسرتوں کی ہیں طغیانیاں
 پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
 ”چن ہے کہ ہے سیمائی نمود“ یہ کہتی ہیں نرگس کی حیرانیاں

۱۲ یہ قطعہ روس اور جاپان کی لڑائی کے زمانہ میں لکھا تھا۔

گل۔ اور تہل پہ ہیں مہن ہے
 کس کے دل کی ہیں یہ خوش الحانیاں
 متاع وفا کا ہے دنیا میں کال
 لگا دیتے ہیں اسکی قیمت میں جو
 شہنشاہیاں اور سلطانیاں
 کھلونوں پہ مرتے ہیں سرھوڑ پھوڑ
 یہ داناؤں کی یہاں ہیں نادانیاں
 بچھتے ہیں مُردار کی پاکے بو
 یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
 بنی نوع کے دوست کرتے ہیں آہ
 بنی نوع پر آتش افشانیاں
 کیلجے کے ٹکڑوں ہوتی ہیں یہاں
 سدا چل کوٹوں کی مہانیاں
 جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام
 جہانداریاں اور جہاں بانیاں
 ڈبوتی ہیں آخر کو منجھدار میں
 یہ فرعونیاں اور بامانیاں

محبت کا دنیا کے حالی ہاں

پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

کوئی محرم نہیں متاجہاں میں
 مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
 قفس میں ہی نہیں لگتا کسی طرح
 لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
 کوئی دن بواہوس بھی شاد ہو لیں
 دھرا کیا ہے اشارات نہاں میں
 کہیں انجام آپہنچا دناں کا
 گھلا جاتا ہوں ابکے امتحاں میں
 نینا ہے لیجے جب نام اس کا
 بہت وسعت ہے میری آستان میں
 دل پر درد سے کچھ کام لوں گا
 اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت ہی خوش ہوا حالی سے دل کر

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

مرے دلیں ہو۔ گو مجھے نہاں ہو مجھے بھی ڈھونڈھ لینا تم جہاں ہو

نہ پھیر دل تذکرہ وصل عدد و کا اگر سمع مبارک پر گراں ہو
 تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گراں ہو
 بہت بقید رہوں محفل میں تیری کہیں ناخواندہ تو بھی میہاں ہو
 مجھے ڈالائے سو وہم و گماں میں بہت کیوں آج مجھ پر مہرماں ہو
 کمرؤں پر ہمارے باندھ رکھے جسے سستی ہماری دامستاں ہو

موت ہے بہت حالی ترا و عظم

کل اسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیر مٹاں کا کہ جوانی نہ گزراؤ خیر کفارہ عصیاں ہے پو اور پلاؤ
 دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہو یہ دل وہ امیدیں میں ارمان وہ امنگیں میں نہ چاؤ
 یار کو یاد سمجھنا ہے نہ تو غیر کو غیب تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے میں نہ تیراؤ
 دوست ہوں جبکہ ہزاروں وہ کسی ہنید و بیچ بنا جھکو کسی سے بھی ہو دنیا میں لگاؤ
 تو وہی برق جہاں سوز ہو بن خواہ نہ بن ہو برابر ترابے ساختہ پن اور بساؤ
 ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھوڑاتے ہو نا صواب یقین دشمن کہیں یا دوست تباؤ
 ہو گیا ذکر قیامت تو احبیرن اعظم باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ
 تجھ کو اسے ابر بلا دیکھ کہے جی چھوٹ گیا ایک ہی بار تم اسے بادلوں اس طرح نہ چھاؤ
 ہوتیخ اسے بھڑکے ہو دلت مدد گاری کا ڈنگاتی ہو بہتیر سے منجد ہار میں تاؤ
 دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشت امید آؤ اور مذاں آج آنسو و نکی مل کے بہاؤ
 اسے شرافت تجھے بکنا ہو اگر مفت تو بک آجکل کیجئے کیا؟ ہو یہی بازار کا بھاؤ
 قافلے ساتھ کے جا چہنچہ حرم کے لگ بھگ وقت اب ہاتھ سے جاتا ہو آتے ہو تو آؤ

اس کے نالوں نے کیا بزم کو آ خر بے لطف

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

ورفیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
 ہر اک کو بھینس لیتی یاں بھیک زاہد
 کچھ اور آؤ بنگر تم اسے میر مرزا
 یہ طبل تھی میں جو بنگارتے ہیں
 دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
 ہر افسردہ مجلس کی خست سو داغ
 تم اپنی سی کنی تھی جو کہ چکے سب
 یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت
 فقیروں کی بھولی میں ہر اب بھی کچھ
 بہت جا بوجھ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ
 بہنیں بوجھتے یاں حب اور نسب کچھ
 جنہیں کچھ خبر ہو وہ کہتے ہیں کب کچھ
 ہنس کر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
 وہ گرا یہ گایا یہ سچیں گے جب کچھ
 نہیں ناصحو اتم یہ الزام اب کچھ
 ٹوٹو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی شک ہے چوب تار کا ہے شاید

یہ حالی کی غزلت نہیں ہے مدب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں لبست زیادہ
 تکلف علامت ہے بیگانگی کی
 کرو دو دستو پہلے آپ اپنی عزت
 بکھالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
 کرو علم سے اکساب شرافت
 فراغت سو دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
 جہاں رام ہوتا ہے بیٹھی زبان سے
 مصیبت کا ایک اک سو احوال کہنا
 کرو ذکر کم اپنی داؤد و ہش کا
 پھر اوروں کی تنکے پھر دگے سناؤ
 مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
 نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
 جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
 نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
 نجاست سے ہے یہ شرافت زیادہ
 اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
 نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
 مصیبت سے ہی مصیبت زیادہ
 مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
 بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہو جائیں وطن
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
نہیں چھپتے عیب آشی ثروت سے تیرے
ہو الفت بھی حشر بھی دینا سوز لازم
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
بیکہ الفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں
ہوئی عمر دینا کے دھندوں میں آخر
غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی
الامیں نہ بس آپ دھڑپت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
دنا اختیار کی اغیار سے سن
ہماری آہ بے تاثیر کا حال
دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری
دل مجھ سے سن ملذت وصل
نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
نہیں آپ بقا جز جلوہ دوست
فریب و عہدہ دیدار کی تیر
فتان شوق کو مانع نہیں وصل
نصوڑ میں کیا کرتے ہیں جو ہم
مناع بے بہا ہے شعر حالی

مزا انگور کاٹنے غوار سے پوچھ
مری الفت درو دیوار سے پوچھ
کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
کنڈ گیسو سے خمدار سے پوچھ
نشاط عافیت بیمار سے پوچھ
ہماری چشم دریا بار سے پوچھ
کسی لب نشہ دیدار سے پوچھ
شہید خنجر انکار سے پوچھ
یہ نکتہ عن لبیب زار سے پوچھ
وہ تصویر خیال یار سے پوچھ
مری تمیت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو تو ہد گمانی
 بیجرم کوئی آخر کب تک سنے ملامت
 عاشق کے دلوں ٹھنڈک جی تیری آگ میں ہے
 اُمید وصل سے جو کچھ جی ٹھرا ہے دیتا
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حالت میں پیش
 صبر و سکون سے ہکو یہ بھی نہیں دے
 پھر یہ بنائے ہستی جو تیرے بعد ویران
 دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور نہ دل
 وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اٹلی مہربانی
 ناصح سے ہکو اپنی کہنی پڑی کسانِ
 دیتا نہیں وہ لذتِ پیاسے کو سرد پانی
 جو کچھ سنا ہے ہننے مشاطہ کی زبانِ
 کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
 تھوڑی سی رہ گئی ہو اسے کاشِ نہانی
 ہو تو بھی اب غنیمت اسے صنعتِ ناتوانی
 کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دستانِ

اک نکتہ کے بیاں سے سر پر نہو گے حالی

چلتا نہیں کسی کا یاں لایِ نکتہ دانی

کند و کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے

گرتے نہیں - دے زہر ہی کا جام بلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اُسکے فاضل کی شکایت

قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دَلالہ نے اُمید دلائی تو ہے - لیکن

دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اسے شہِ خواہاں

یاں ہیں - تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے

پیاسے ترے سرشتہ ہیں جو راہِ طلب میں

ہوٹوں کو وہ کہتے نہیں تر آبِ بقا سے

درگزر سے دُعا سے تو بھر دے پہ دُعا کے
 درگزر میں دُعا سے بھی۔ دُعا ہے یہ خدا سے
 اک درو ہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
 تخفیف دوا سے ہو نہ تکیں دُعا سے
 حالی دل انسان میں ہو گم دولت کو مین
 شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان عطا سے
 جب وقت پڑے دیجے دستک درد دل پر
 جھکے فقر سے نہ جھکے اُمرا سے
 کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چن کس کا ہے
 کل بتائے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے
 فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
 مَرُو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
 دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
 چرخ کتنا تھا کہ یہ بیتِ حُسن کس کا ہے
 مطمئن۔ اس سے مُسلماں نہ سیحی نہ یہود
 دوست کیا جانے یہ چرخِ بہن کس کا ہے؟
 داغِ خط اک عیب سے تو پاک ہے یا ذابِ خدا
 ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے
 آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
 عزمِ تسخیر پھر اے شیخِ زمن کس کا ہے
 آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر

تم میں روپ اے گل و نسرين و سمن کس کا ہے؟
 عشق اُدھر عقل اُدھر دُھن میں چلے ہیں تیری
 رستہ اب دیکھ دو دنوں میں کٹھن کس کا ہے
 شان دیکھی نہیں گرتوں نے چمن میں اسکی
 دلولہ تجھ میں یہ اے مرغِ چمن کس کا ہے؟

ہیں فصاحت میں مثلِ داعظ و حالیِ دود
 دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
 عجب نہیں کہ رہے نیک بد میں کچھ نہ تمیز کہ جو بدی ہو وہ سا پنچ میں بدلتی جاتی ہے
 سپاہِ دیرِ سپہِ باغِ باغ ہیں۔ لیکن بہیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے
 کہا چو میں نے وفا کرتے آئی ہیں احباب کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے
 قلن انہیں نہیں گرد و ستوں سے پھٹنے کا طبیعت اپنی بھی کچھ بدلتی جاتی ہے
 بہت سے کھوئے خلیانِ بینوائی نے ضرورت ایک کے بعد ایک ملتی جاتی ہے
 ہوئے ہیں بارِ امانت سوتیرے سب عاجز زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے
 اڑے گی خاکِ تقدس کی اب سربازار فقیہ و شیخ میں جوتی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوفِ مرئیے جب تھا نہ اب ہو کچھ حالی
 کچھ اک بچک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بڑی اور بھلی سب گزر جائے گی یہ کشتی تو نہیں پار اُتر جائے گی
 لے گا نہ گلچیں کو گل کا پستا ہر اک پکھڑی یوں بکھر جائے گی
 رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی
 ادھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر یہ بازی تو توتا ہوئے ہر جائے گی

بناوٹ کی شہنی نہیں رہتی شیخ ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
 نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یونہیں عمر ساری گزر جائے گی
 تئیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
 یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
 کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
 نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی ٹوٹ بھی لیکن
 حذر اس ٹوٹ سے جو ٹوٹ ہے علمی و اخلاقی
 نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑی تو نے گلشن میں
 یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی
 کمال کفش دوزی علم افلاطوں سے بہتر ہے
 یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشتراقی
 رہی دانائی آخر غالب آکر پسלוانی پر
 گئے چین مان سب چینی و فرغانی و قچاقی
 ہمارے طرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ

لنڈھا خم پہ خم غیروں پہ کیوں مسک ہو گرساتی
 مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
 لطیفہ رہ گیا ہو دیکھنا اک غیب کا باقی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشا کی بھی
 اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز اس میں شہری بھی ہیں کوہی بھی ہیں صحرائی بھی
 آنکھ سب ایک کھلی کہتے ہیں اور ایک مندی اس میں سکھ بھی ہیں ہند بھی ہیں عیسائی بھی

جو چھپاتے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے
دوست گر بھائی نہ دوست تو بھی۔ لیکن
اے غم دوست تجھی پر نہیں اپنی گزراں
دل غمی رکھتے ہیں اور دولت نیا جو لوگ
عقل ہو۔ اپنی حماقت کو چھپائی انھیں
عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلس نواہ
ملنے دیگی نہ اجل تم سے ہیں جی جس کر
فرصت اور دوستو اور تیا سے اگر بائی بھی

جی گئے ہم۔ پہ رہی مردوں سے بدتر حالی
دیکھ لی تہنہ طیبوں کی سیحالی بھی

دبا کھل کے زاهد کا زہر ریائی
برائی ہے مندوں میں بھی شیخ لیکن
گناہوں کی نیچنے کی صورت نہیں جب
مکا ہاتھ جب بن گئے پارسام
ٹرا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے
جو کہتے تو جھوٹی جو سنے تو سچی
ہوئی آکے پیری میں قدر جوانی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پرست
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح
قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اُس کے دل زار تنائی ہے نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
 قطع اُمید نے دل کر ڈیے کیسو۔ صد شکر شکلِ مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
 قوتِ دستِ خدائی ہے شکیبائی میں وقت جب آ کے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
 ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سوا پنا ڈر ہے پہنچے جب کھائی ہو اپنی ہی سوزِ ک کھائی ہے
 نشہ میں چورہنوں۔ بھانجہ میں ممتورہ ہوں پند یہ پیرِ خرابات نے سرِ بانی ہے
 نظر آتی نہیں اب دل میں تمتا کوئی بعدِ مدت کے تمتا مری بڑائی ہے
 بات سچی کہی۔ اور اُٹھ گیاں اُٹھیں سب کی

پتھ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے؟

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہو جھوڑ کر فی ملامت اور کو آسان ہو
 سامنا ہو موت کا ہونا محبت سے دوچار آئے اس میدان میں ابد اگر کچھ جان ہو
 دیکھ اے ٹکیل ورا گلبن کو آنکھیں کھول کر پھول میں گر آن ہو کانٹے میں بھی کشان ہو
 عقلِ جلی پر تہمتی حرص و آرزو انسان کی لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہو
 چوڑی ٹول میں اتحاد اور یکھوں میں اتفاق آدمی کا آدمی دشمنِ خدا کی شان ہو
 بخت میں جو ستا اس شمع ہو کس برقی عالم سوز کی جان و دل سے تجھ پر نہ جو یوں زبان ہو
 دل میں حالی کے رہو باقی نہ بس ارمان کچھ

جی میں ہو کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہو

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایماں باقی

رہ گیا کیا ہے اب اے گہر و سلاہ باقی؟

نیرم دعوت میں رہ سائی ہوئی اپنی اسوقت

میزباں جب نہ رہا کوئی نہ ہماں باقی

حق ادا رک نگہ لطف کا ہو گا کیوں کر؟

دل دین لے چکے اور ہوا بھی احساں باقی
ظاہر اور وہی الفت کا نہ سیں چادرہ پذیر

ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درماں باقی
تو شہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کویں کے سماں باقی
جب یہ کہتا ہوں کہ پس دنیا پہ اب لٹ کیجئے

نفس کہتا ہے ابھی چنڈے توقف کیجئے
واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار

اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
ضبط کیجئے درودِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں

اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُف کیجئے
دوست کے تیور میں ہم ہر رنگ میں پہچانتے

بے تکلف لئے ہم سے یا تکلف کیجئے
جیکہ عقلمی بل گئی دنیا ہے پھر سہل الوصول

شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجئے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے

جائیے اب عمر بھر بیٹھے تأسف کیجئے
توبہ حضرت کی یونہی اک دو وہ کا سا ہوا بال

ہم دکھا دینگے زرا دم بھر توقف کیجئے
فکر فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی
جان کو پہنے لگالی ہے یہ علت کیسی
جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا ہم خزاں
جن کی صفت میں ہو کلفت انھیں راحت کی

جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا
جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
عیب جی کی سوسنیں خلق کی دم بھر فارغ
جو حقیقت سی ہیں آگاہ تری اے دنیا
جاننا ہو وہی۔ دل پر ہو گزرتی جس کے
ہمنے آں سے پڑھی ہو یہ کتاب آخر تک
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح
وہ تو آفت تھی ہماری لئے اُلفت کیسی
قید بہستی میں مری جان فراغت کیسی؟
جنکو کچھ کام نہیں یاں اینھیں صفت کیسی
وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہو حالت کیسی
ہم سے پوچھے کوئی؟ ہوتی ہے محبت کیسی
وہی بھی کام نہیں کرتی۔ نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری کفر سے بدتر مسلمان مری
تھانہ محتاج سبب عفو کریم کچھ نہ کام آئی پیشانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف کم نہ ہو شاید پریشانی مری
ہے لباس جسم تک مجھ پر گراں دور جا پہنچی ہے عریانی مری
بالغ گلگشت ہے بیم خزاں موت کرتی ہے نگہبانی مری
قدر نعمت ہے بقدر انتظار حشر پر ٹھہری ہو ہمائی مری

غندہ زن ہے اس مسلمان پہ کفر

جیسی ہو حالی مسلمان مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیان رہے

شکوے وہ سب سنا کئے اور مہرباں رہے

کیا کیا ہیں دل میں دیکھے ادماں بھرے ہوئے

ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے

حراماں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتہ اُمید

اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں ہے

پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی

اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں رہے

دیرو حرم کو تیرے فناؤں سے بھر دیا

اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے

داراؤ جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے

نرخ متار عشق۔ اتنی گراں رہے

حالی سے دل کے ہو گئے افسردہ دل بہت

اگلے سے دلوں وہ اب اس میں کہاں ہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے بات اس کی کاٹتے رہو اور ہنر باں ہے

یا براں تیر گام نے محل کو جالیا ہم محو نالہ جو جس کا رواں رہے

یا کہینچ لائے دیر سے بندوں کو اہل غط یا آپ بھی ملازم پیر مغناں رہے

وصل مدام سے بھی ہماری نہ پیاس ڈوبے ہم آب خضر میں اور نیجاں ہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کار و سیاہ ”تم مدعی کے گم گئے اور سہماں رہے“

دیر یا کو اپنی موت کی طینا یوں سے کام کشی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر دلا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہماری نہاں رہے

حق و وفا کے جو ہم جتانے لگے آپ کچھ کہہ کے ٹسکرا نے لگے

تھا یہاں دل میں طعن وصل عدو عذرائ کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے کافرت میں وہ اگر بہت آزمانے لگے

دُور ہے میری زبان نہ کل جتا ہے
 جان بھی نطسہ نہیں آتی
 تم کو کرنا پڑے گا عذر جتنا
 سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
 جی میں ہے توں رضائے پیرِ مخاں
 سترِ باطن کو فاش کر یا رب
 ابدہ یا میں بہت تباہ لگے
 غیر الفت بہت تباہ لگے
 ہم اگر درِ دل سنانے لگے
 ہم بھی اسہ کر جی چرانے لگے
 قافلے پھر حرم کو جانے لگے
 اہل ظاہر بہت تباہ لگے
 وقتِ رخصت تھا سخت جالی پر
 ہم بھی پیٹھے تھے جبہ جانے لگے

حشر تک یاں دل شکیبا چاہیے
 ہر تجلی بھی نقابِ روئے بار
 کب میں دلبر سے دیکھا چاہیے
 اس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے
 خیر ممکن ہے نہ ہوتا تیر غم
 ہر دل افکاروں کی ولداری ضرور
 جو دل افکاروں کی ولداری ضرور
 ہر کچھ اک باقی خلشِ امید کی
 دوستوں کی بھی نہ ہو پروا ہے
 بھاگے ہیں آپ کے انداز و ناز
 کیجئے اغماض جتنا چاہیے
 صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیے
 شمعِ اہلِ نگہ جا دکو بھری

لگ گئی چپِ حالی رنجور کو
 حال اُسکا کس سے پوچھا چاہیے

جڑوں کا رفرما ہوا چاہتا ہے
 دمِ گریہ کس کا تصور ہے دل میں
 قدمِ دشتِ پیما ہوا چاہتا ہے
 کہ اشکِ اشکِ دریا ہوا چاہتا ہے
 خط آنے لگے شکوہ آمیز آنکے
 بلاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہو
 ابھی لینے پائے نہیں دمِ جان میں
 مجھے کل کے وعدہ پہ کرتے ہیں رخصت
 کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
 فزون تر ہو کچھ اندازوں فوقِ عصیا
 دیرِ رحمت اب ڈا ہوا چاہتا ہے
 قلعہ گریبی ہے نورِ ازہرِ سانی
 کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے
 وفا شرطِ الفت ہے۔ لیکن کہا نکہ؟
 دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے
 بہت خط اکٹھا ہے دل تجھ کو بلکہ
 قلعہ دیکھئے کیا ہوا چاہتا ہے
 غم رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم
 سودہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چہین سے دن گزرتے ہیں حالی

کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

جس کو غصے میں لگاؤ کی ادایا دے

آج دل لے گا اگر کل نہ لیا۔ یاد رہے

شوق پڑھتا گیا جوں جوں کے اُس شوخ سہم
 یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے بھولایا رہے

ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ مگر

نہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر کیجے

اِس بھلائی کا ہے انجام بُرا۔ یاد رہے

شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے

توبہ اُن کی ہے جہنم اپنی خطا۔ یاد رہے

وادیِ عشق میں موسیٰ کو ہو گرا رخصت نید

ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عضا یاد رہے
خضر نے پاؤں اگر دشت فنا میں رکھا

بھول جائیں گے رہ آب بقا یاد رہے
دل بڑی طرح لگا عشق و بہا میں امو شجہا

دین پڑا پائیں اگر اب کے ہذا یاد رہے
چارہ گرا کار باندازہ تدبیر نہیں

کچھ بہت اگر وقت دُعا یاد رہے
ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ

حضرت اس لطف کا پائیں گے فرا یاد رہے
ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے

آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے
افسوس شب وصال کے واں کار گزینیں

نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے
اسے دل اب آزمائش تقدیر کا ہر وقت

وہ امتحان ہر شمس شمشیر کر چکے
کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے

ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
بھولے رہے تقدیر مرقاں میں چند روز

دیکھا تو دل کو ہم ہر دین تیسر کر چکے
جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار

مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے

کو میرا یہ فارغ ہو سکے ہیں وہ
گو یا کہ ایک ہستان کو شمشیر کے چکے

حالی باب اکو پینروی مغربی کریں
بس اندازے مصحفی و مسیر کرد چکے

نہ دان پریشانی نہ بیاں تاب سخن ہو
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اسکی
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
عدو سے بات محفل میں نہ کرنی
بہت دل میں تیری عاشق کو درکار
دلائی ہے صبا کس کو چمن یاد
کہوں تجھ سے بیاں کچھ دو غزیت
رہے لاہور میں آکر سو جیاسنے
نہیں آتی کہیں تیاں یوتے یوسف
یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
نہ کچھ محبوں کو نہ پند اسے لیلیٰ
مجت ہے کہ دل میں موج زن ہو
وہ اپنی ذات سے ایک الجھن ہو
لگر ہر بات میں اک سادہ پن ہو
جو سچ پوچھو تو جائے سوز ظن ہو
تری جوابات ہے وہ دل شکن ہو
بنے میں بلبیل نہ گھر میرا چین ہو
مگر جو شش سخن سرور ہن ہو
یہی دنیا ہے جو ڈاڑھ لکھن ہو
لگر جو گھر ہے وہ بیت انھن ہو
کہ بلبیل ناٹشنا سائے چمن ہو
نہ کچھ شیریں کو درد کو کہن ہو

۱۵۔ یہ غزل تقریباً ۱۸۸۵ء میں اس وقت لکھی تھی جبکہ مجھے بقیہ طائریت ملی چھوڑ کر لاہور
جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دو ہفتے لاہور میں کسی سے
جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہونچتے ہی نہایت سہمت و با آئی۔ اور وہاں ہی بیٹھ کے ایک
دو تھانہ تک چھپکے اور بخار کا زور و شور رہا۔ آخر کار راقم بھی سہمت پیا رہ گیا۔ اس تھانہ کی
اور سر آیم کی دھم اندہ کہ حالت میں یہ اشعار لکھ گئے تھے۔ ۱۲۔ (حالی)

مجھے نہیں سنا ہے سمجھیں اپنی لادہ
 مری خلوت میں ہے ہنگامہ بزم
 بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا بھول؟
 بتاؤں تم کو ہوں کس مہر کی ٹو؟
 عدم کی راہ کٹ جاتی کہی کی
 نہ لینے دیگا جنت میں بھی آرام
 گریں نظروں سے سب باتیں پرانی
 بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی
 کیا ہے اس نے کہنے میں سخن ترک
 مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہو

وہم بھی اپنی پارسائی کی
 کہوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت
 منہ کہا شک پھیاو گے ہم سے
 ناگہاں ہیں لگاؤ کی باتیں
 شے غیروں سے ہو ملو لیکن
 دل رہا پاک ہے بند الفت دام
 دل بھی پہاڑ ہیں تو یاں کس سے
 شہر و دیار سے باغ و صحرا سے
 نہ اکوئی غارت ایمان

کی بھی اور کس سے آشنائی کی
 ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
 تم کو عادت ہے خود نمائی کی
 صلح میں چھپے لڑائی کی
 ہم سے باتیں کرو صفائی کی
 نھی حبش آرزو رہائی کی
 رہتے امید دل رہائی کی
 تو نہیں اپنی آشنائی کی
 رہ گئی شرم پار سائی کی

۱۰۔ یہ فرمایا بھی لادہ میں اسی وقت لکھن کئی ٹٹی جیکہ غزل سابق لکھی گئی تھی آخر کے شمار

میں اس مرکب کو اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲۔ (عالی)

بخت ہمدانی شیدا تو نے آخر کو نارسائی کی
 صحبت گاہ گاہی رشتہ تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
 موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے ساعت آہونچی اس جدائی کی
 زندہ پہرے کی ہے ہوس حالی
 انتہا ہے یہ بے حیالی کی

کر دیا غورِ غنا تو نے خوب ڈالی بھٹی ابتدا تو نے
 دور پہونچی تھی اپنی آزادی پر خدا جانے کیا کیا تو نے
 کیوں نہ آئینگی یاں وہ اسی ہم بس سنا میں نے اور کہا تو نے
 گوش دل ساتھ لائے تھے ہم آج نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
 صبر کا ہے بہت برا انجام ہم کو سمجھا ہو دل میں کیا تو نے
 ابتدا کے وفا ہے سر و سیا سیری دیکھی نہ انتہا تو نے
 دل سے فاصلہ بنا کے وعدہ صیل اور کہو یا رہا سنا تو نے
 ایک عالم کو خوش کیا اور شک ہم کو کس سے خفا کیا تو نے
 جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
 حالی اپنا کہا سنا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے جان سے پہلے دل لیا تو نے
 رہبر و تشنہ لب نہ گہرا نا اب لیا چشمہ بقا تو نے
 شیخ جب ل ہی ویریں لگا اے مسجد سے کیا لیا تو نے

۱۵ شیدا سے مراد منشی محمد کرم اللہ خاں متادہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی ٹکڑے کرتے
 تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲ (حالی)

۱۳ رشکی آئینیل نواب محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲ (حالی)

دور ہو اسے دل مال اندیش
کھو دیا عطر کا مزار تو نے
ایک بیگمانہ وار کر کے نگاہ
کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل میں نکو کے لئے تھے سوئے دیر
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے
خوش ہے امید خلد بہر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

دل کو درد آشنا کیا تو نے
در دل کو دوا کیا تو نے
طبع انسان کو دی سرشت دفا
خاک کو گمیا کیا تو نے
وصل جاناں محال ٹھہرایا
قتل عاشق دوا کیا تو نے
تھانہ مجھ غم باطن عاشق میں
غنیمت کو راحت فرمایا تو نے
جان بختی اک دہاں فرقت میں
شوق کو جان گزایا تو نے
تھی محبت میں تنگ منیت غیر
جذب دل کو رسایا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی قلم
در میخانہ دایا تو نے
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند ۲
غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ
عشق کو رہنمائی کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈوبی تھی
عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پلہ کو مہر سپر
اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک مال نہ رہن ہوش
باد مشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جاں کو لذت درد
درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوق طلب
سعی کو نارسا کیا تو نے

۱۰ اس شعر میں پدرو پسر کا اشارہ حضرت یعقوب یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں
بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۱۲ (رحالی)

بردہ چشم تھے حجاب ہمت
 عشق کو تاب انتظار نہ تھی
 حرم آباد اور دیر خدایاب
 جو کیا سب کچھ کیا تو نے
 سخت افسردہ طبع تھے اجباب
 ہم کو جادو نو کیا تو نے
 پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یا رب
 کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
 حالی اٹھا ہلا کے محض کو
 خراب کیا کیا تو نے

نفیس کی قرمانروائی ہو چکی
 اب میں پیری کی عزت کو دن
 گرم جوشی طلب محبت ہو چکا
 موت کی راحت فراہمی کا ہی وقت
 قطار اب دیر میں جانے کو ہے
 جلتے ہیں جہیل کے شہیر جاں
 دیکھتا ہوں تجھ کو اب اے جذبہ عشق
 قید خانہ میں گیا دل جن کا لگ
 دیز میں بھی لیجے منت ازنا
 خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو
 وقت ہو اے زاہد اب تشریف کا
 ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب
 فلسفے سے اس کی اب منٹ بیٹھو
 رکھی ہے مذہب ولایت کی جنگ
 خود پسندی خود نمائی ہو چکی
 لجن جانی کی حسدائی ہو چکی
 ناخوشی غمگی لڑائی ہو چکی
 زندگی کی جان گزار ہی ہو چکی
 شیری میوا واسے جڑائی ہو چکی
 بے پروں کی دماں رسائی ہو چکی
 عقل کی دور آزمائی ہو چکی
 ان اسیروں کی رہائی ہو چکی
 مسجدوں میں جہ سائی ہو چکی
 باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
 شہرت زہد ریائی ہو چکی
 شرک بدعت کی چڑھائی ہو چکی
 سفطے سے ہاتھ پائی ہو چکی
 ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جیہ تلک اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سننے کا اسے حالی دماغ

بس بہت بڑیاں سسرالی ہو چکی

مستی جہل میں غفلت کا نشا اور سہی شب تاریک میں گھنگھو رگھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانو لا ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی

کم نہ تھے روگ جہانی میں بھی کچھ پیر رعشہ اب اور سہی - نعرش پا اور سہی

گر گنہ عفو کی امید پہ کرنا ہر خطا میں جاں لکھ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کو ہر خوف و خوفنا جل خوفنا ال کہہ دو "اے پھر اک خوف خدا اور سہی"

یوفا کو نسی غبی ہو نہیں جو تہذیب؟ وصفاتے میں جاں ایک نا اہل سہی

ترک دنیا کے علائق تو کئے سب اہر گر مناسب ہو - تو اک ترک یا اور سہی

تیری الفاسی مردوں کو کیا ہے زندہ ایک گھٹکا اور سہی با و صبا اور سہی

مدیر میں لا کچھ - تو نہ توڑ اس لئے ل ایک دولت سانی پہ صدا اور سہی

تم تو حالی یہی طرز اپنی بنا ہے جاؤ

طرز شعرا و بلغا اور سہی

نہ عیش کخیسروی رہے گا نہ صولت بہمنی رہے گی

رہے گی اسے منعمو - تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہے گی

رہے گی گردش دکھا کے نیچا جو ہو گے تار سے تم آسمان

کسی کی آگے نہی رہی ہو نہ اب تمہاری بنی رہے گی

گرایا تو رانیوں کو تو نے - بچھاڑا مازند رانیوں کو

کہاں تلک اسے شراب غفلت پہ تیری مردانگی رہے گی

لے یہ غزل ۱۹۱۲ء کی تصنیف ہے ۱۲ (اسماعیل)

رہے گی کس طرح راہ امین کہ رہنا بن گئے ہیں نہ نرن
 خدا نگہاں ہے قافلوں کا اگر یہی رہنر فی رہے گی
 جھٹکائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُتے ہی ہو رہی ہیں
 انہیں اچھا جائے گا جہاں میں۔ اگر یہی روشنی رہیگی
 کرے گی کچھ عقل رہنمائی۔ نہ علم سے ہو گی کچھ صفائی
 گناہ کی گندگی میں دنیا یونہیں ہمیشہ سنی رہیگی
 بگاڑ نہ رہے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تاحشر ٹٹنے والے
 یہ جنگ وہ ہر جو صلح میں بھی یونہیں ٹٹنی کی ٹٹنی رہیگی
 قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبول عام ہونا
 رہو گے گرضن ظن کے طالب تم سے یہاں بطنی رہیگی
 جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ نہ وارث
 رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت اُن کی غنی رہیگی
 کہنے کی بات ہو تو اسے کہ نہائیے
 جو دل پہن رہی ہے وہ کیونکر دکھائیے؟
 دنیا کی ہو ہوس تو دل و دیں گنوائیے
 یاں کھوئیے بہت سا تو کچھ جا کے پائیے
 یہ کیا کہ دل ہر دیر میں اور کعبہ میں مقام؟
 ہو رہیے بس میں کہ جہاں دل لگائیے
 گر جان کا ضرر ہے۔ جہت میں نا صحر
 ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بنہا رہائیے
 اور اعتبار کھوتے ہو اپنا رہا سہا
 بس آگیا یقین میں قسمیں نہ کہائیے
 بھر پائے بس زمانہ سے جو مانگتے تھے حق
 فارغ غلطی ہم اپنی ابھی کہہ دیں لائیے
 مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہی پاک
 رزم میں غل کیجے کہ گنگا نہ سائیے
 پھرتا ہو جو کہ کو دتا غیروں کی آگ میں
 خیر اس اجل گرفتہ کی کب نہ سائیے

ہوتی ہجوم غم میں ہے کیوں نہ ہر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائیے

وصف چمن نفس میں سنو عندلیب سے
نالوں سے ایک دم نہیں مسکین کو قرار
لاگ اور لگاؤ ساتھ گئے سب شباب کے
اب دل سے دور رکھو خیال نشاطِ عمر
شادی ہو ایک کی دُہی۔ جو دوسرے کا غم
دووں ٹہنوں نہ دردِ دل کو مردوں اسمیں جیوں
کہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں جسے غور و بے وقار
طالب میں صدق ہے نہ عقیدت مریدیں
دُپڑے وہ خطبہ جس میں کہ صدق و صفائے ہو
فاتے میں تم کو دیکھ کے جاتی ہے جھوک بھاگ
اب جس کے جی میں آئے بھر شاعری کا دم
نعم البذل ہے داغ کا حالی ”کلامِ داغ“

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

تیرہم لگائے جاتا ہے
دیکھتے اور کیا دکھائے فلک
دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن
ہو چکی قومِ مردہ۔ پر حباؤ
گو کہ حالی میں دم نہیں باقی
گو نہیں اس خیر کی۔ لیکن
نظروں نظروں میں کھائی جاتا ہے
ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے
دشمنوں کو ہنسائے جاتا ہے
ابھی دُڑے لگائے جاتا ہے
دُور اپنی ہلائے جاتا ہے
خیر سب کی منائے جاتا ہے

ابے اس میں کوئی بیان نہ ہے
وہی راگ اپنا گائے جاتا ہے

—||—<—>—||—

حصہ دوم تمام شد

=====

حصہ سوم

رباعیات

وہ رباعیات جو مولانا نے دیوان مرتب کرتے وقت اس میں درج کی تھیں
 تنو کے قریب ہیں یہ رباعیاں دیوان سے علیحدہ بھی ”رباعیات حالی“ کے
 نام سے کتابی شکل میں مختلف مطابع سے متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور
 ملک میں ان کی کافی شہرت ہو چکی ہے۔

دیوانِ حالی کے شائع ہونے کے بعد بھی (جو کہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۷ء
 میں چھپا تھا) مولانا نے بہت سی رباعیاں کئی ہفتوں مختلف اجازتیں حاصل
 میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان سب کو میں نے تلاش کر کے ”جوہراتِ حالی“
 میں درج کر دیا تھا جو مولانا کی غیر مطبوعہ اور پراگندہ نظموں کا مجموعہ ہے اور
 گذشتہ سال چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

اب یہاں نئی ویرانی، جدید و قدیم، مطبوعہ و غیر مطبوعہ غرض تمام
 رباعیات جو مل سکیں درج کی جاتی ہیں۔ وہ بھی تمام رباعیات اس میں
 ہیں جو دیوانِ حالی میں تھیں اور وہ بھی جن کو میں نے ”جوہراتِ حالی“
 میں جمع کیا تھا۔ تینز کے لئے ”جوہراتِ حالی“ والی رباعیوں کو میں نے
 آخر میں درج کیا ہے اور ہر ایک رباعی پر لکھ دیا ہے کہ وہ کہاں سے
 حاصل کی گئی ہے۔

اسماعیل

توحید

کاٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
 مانا نہیں جس نے تجھ کو - جانا ہی ضرور بچکے ہوئے دل میں بھی ہر کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ مٹا لے راگ گایا تیرا
 دھری نے کیا دھڑے تعمیر کئے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں جب ہما ز جگر کہتا جب قافلہ دادی میں ہر سر ہکراتا
 اسباب کا آسرا ہر جب اٹھ جاتا داں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گیسر تیری قدرت کے ظہور منکر بھی بکاڑ اٹھتے ہیں تجھ کو محبوب اور
 خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ خورشید کا کشش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جب یایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا چھواتی ہے
 ممکن ہر کہ شکہ میں ل جائیں اطفال لیکن انھیں دکھ میں ل ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے - ہوا سے - آتش و آب یاں کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
 پر - تیرے خزانے میں ازل سے اب تک گنجینہ عیب میں اسی طرح ہناں

سہ یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اس کے جو خزانہ عیب میں مخفی ہے

کان لم یکن ۱۲ (حالی)

توحید

ہستی سے ہر تیری رنگ بوسکے لئے طاعت میں ہر تیری بہرہ دے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور بوسکے لئے
ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہر ایک دل جو کہ ہوشاد
پر جو کہ میں تجھ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

لغت

ذہاد کو تو نے جو تجھ کیا عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں ہانہ حق کی سا بھی کوئی توحید کو تو نے اے توحید کیا
ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا اور امیوں کو خیر اُتم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تار بچھڑے ہوئے گلہ کو ہم تو نے کیا
ایضاً

بطحا کو ہوا تیری داد سے شرف شرب کو ملا تیری قامت سے شرف
ادلا دہی کو خشن نہیں کچھ تجھ پر اہا کو بھی ہر تیری اوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گہرے بیر کریں شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ”ہے جہنم دنیا“ وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

بیل کی چمن میں ہنر بانی چھوڑی ہنر سرخا سفاہ
 بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی
 جب سے دل زندہ تو نے ہنر چھوڑا

سیران زندہ دل
 خوش رہتے ہیں گھر میں کامرانوں کی طرح ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
 دل لنگے ہیں نظرافانگے جو کرتے ہیں تیر ہنس ل کے پیری کو جوانوں کی طرح
 نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
 نیکی ہی خود اک بدی ہو کر ہونہ خلوص نیکی سے بدی نہیں ہو کچھ دور بہت
 امتحان کا وقت

زاہد کتا تھا جان جو دین پر قربان پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
 کی عرض کی کئی کہیے اب کیا ہو صلاح؟ فرمایا کہ بھائی جان جی ہو تو جہان
 عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا یا گھر ہے وہ خود ہنر آزاروں کا
 ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہو خبر اک شغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا
 نیکیوں کی جاتیخ

نیکیوں کو نہ ٹھہرایو بد اے فرزند اک آدھا دا ان کی اگر ہونہ پسند
 کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں ہوں اُسیں اگر گلے ٹڑے دانے چند
 دوستوں سے بجا توقع

نازیت وہ محو نقش موم ہے جو طالب دوستانِ معصوم رہے
 اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوان مفسون گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون
خود ہمیشہ شباب اک جوں ہو اب تم کرتے ہو خردوں جنوں پہ اک اور جنوں
غور و سب علیوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر قیب سے دور پر عیب نپے تا بقدر ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر جس درار ہو گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غور
گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زبان کہتے ہیں نہ کم ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور دم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم
شرط قبول

ممکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قدر کہیں پر قدر کہیں بغیر جو ہر کے نہیں
خبر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے مگر خبر کی جگہ نہ لے گا کوئی بشر گیں
طالب کو سوچ سمجھ کر پسربنا نا چاہیے

ہوں یا نہوں پیر اہل عرفان و عین پر ڈر ہے کہ طالب نہوں نادان کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے
میں جاہل میں سب عالم و جاہل ہمہ آتا نہیں فرق اس کے سوا نہیں نظر
عالم کہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جاہل کی کچھ اپنے خبر
موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہا پیر مغال نے ہنس کر

۱۵ دم دعویٰ اور قدم عمل ۱۲ حالی ۱۵ برس گیں کے معنی گور کے ہیں ۱۱۰ اسماعیل

باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیگا چل چلا کے سب عیب ہر
 مشرف کو کیونکر فخرِ اغت حاصل ہو سکتی ہو
 اک منہ مشرف نے یہ عابد کو کہا کہ میرے لئے حق سے فراغت کی خواہ
 عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ ”محتاج کر۔ اس کو جلد اسے بارِ خدا“

کام کی جلدی
 یاں سبب کی علت کوئی کب آتا ہے آتا ہے اگر آج۔ توکل جاتا ہے
 جو کرنے میں کام اُن کو جلدی بھگتاؤ طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے
 غرض

ہے نفس میں انسان کے جلی یہ مرض ہر سچی پہ ہوتا ہے طلبگارِ عووض
 جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے دیکھا تو ہناں انہیں بھی تھی کوئی غرض
 انقلابِ روزگار

بے تیراوں گھر اچھڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکٹڑ جاتے ہیں
 آج اس کی ہر نوبت توکل انکی باری بن بن کے یونہیں کھیل گڑ جاتے ہیں
 تقاضائے سن

جالی کو جو کل فسرہ خاطر دیکھا پوچھا باعث تو ہنس کے یہ نہ لیا
 ”رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا“
 جسکو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا
 دنیا کے دنی کو نقشِ فانی سمجھو رُودادِ جہاں کو اکت کہانی سمجھو
 پر جب کروا غار کوئی کام بڑا ہر سانس کو عسرِ جہادِ فانی سمجھو
 آثارِ زوال

آیا کو زمین و ملک پر اطمینان اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان

بچے آدابہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھراٹے
شائین اذبار

صحرا میں جو پایا ایک ٹھیل میدان برسات میں
میدوس تھے جگے چوتنے سردھقان یاد آئی ہمیں
نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفرین کے لائق ہونا شیریں سخن سے شہد فائق ہونا
مکمل نہیں جب تک کہ ہنود میں نفاق آسان نہیں مقبولِ خلاق ہونا
مسلمانوں کی ہمہری

جب تک کہ ہنود دشمن اغواں پکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سننے میں کسی کو جب مسلمان پکا

مکروریا
حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرگ کانہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھڑوں کے واجب ہے حذر بھڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت
ہیں بے ہنروں میں قابلیت نشان پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسانیت
عاری ہیں لباس تربیت سے درنہ ہیں طوسی زاری انھیں شکل نہیں نہان

علم
اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائبے اتوجھاں سے وہاں آیا زوال
ان پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال
ایضاً

اے علم کلیدِ گنج شادی تو ہے سرچشمہِ غمساویا دی تو ہے

باقی نہ رہے جہاں ہے سایہ میں ترے دُنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

علم
ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی دین مشرق کو وہ فیض تجھ سے ای علم نہیں
شاید اسے علم ماہِ خشب کی طرح رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں
خاندانی عزت

بیٹا بچکے نہ جب تلک ذلت سے عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تجھے کحات کا نسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے
عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا "مجھے ہو عزت ہو جا" فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشان
عزت ہوئی غلط ہے دونو کا بیان میں عبید ہو حق کا جو ہر نیکی میں نہان
توقع بچا

ہیں یار رفیق۔ پر مصیبت میں نہیں ساتھی میں عزیز۔ لیک ذلت میں نہیں
اُس بات کی انساں سو توقع ہو غیث جو نوع بشر کی خود حیلست میں نہیں
عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں حقد کئی اور بیشی اتنی ہی مغارت ہو یہاں اور خوشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مال ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا شمر تلخ سدا ہوتا ہے ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوئی کہتا ہوں کہ "اب دیکھئے کیا ہوتا ہے"
ایضاً

اے عیشِ طرب نے جہاں راج کیا سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا

دیران کیا تو نے ٹینو اور بابل بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

علیبت

رواق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی بُرائی ہی پہ ہے نعرہاں خوبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ پیروں کو خُرف اور جالوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیری قوموں کو ذلیل - خاندانوں کو تباہ

سببِ والِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دے دین نے اسرار و حکم دُنیا نے کمردین کی تھامی جدم
گردین کی ممنون بہت ہو دُنیا دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں پایا جب کوئی عیب گناہ کافر کہا و اعظا نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جسوقت لا تا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

۱۱ یعنی کفر و منکرات ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبر کو
بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندقہ اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندقہ خدا
سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی مذہبی اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو کسی تکفیر یا
تفصیل کرنے کی ایسی بات ہو جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت ملے اور وہ اپنی دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۱
(دعائی)

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پر گزیم جاں کا ہے مدار اس قوم کا چیتا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار
عفو یا وجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا مقبول تر اکون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سخن کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جان ملک ہو دیسے تسکین زہر اگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھر کا تاہی اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

یتور نے اک مورچہ زبردیا والا دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سر بام دیکے پہنچا تو کہا ”مسئل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار“

کم ہمتی

جبر یہ و قدر یہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجسام ہے جو کفر کی طغیانی کا ثمرہ ہے وہی عقلت نادانی کا
لذت سے مذا متوں کی جانا ہم نے دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تأسف برفات اب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم نیر تخلص ملوی
قری ہے نہ طاووس شکر کبک طناز آتے ہی خزاں کر گئے سب پرواز

مقی باغ کی یادگار اک بسبلِ نزار سوا سکی بھی گل سے نہیں آتی کوثر
ایضاً

غالب ہو نہ شیعہ نہ نیر باقی وحشت ہی نہ سالک نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی
محنت

محنت ہی پہل ہیں یاں ہر کام میں محنت ہی کی بکتیں ہیں ہر خم میں
موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چو پانی جب تک نہ چرائیں بکریاں مَدین میں
گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو جو سائل پایا کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بو لاکہ ہے اس کا انکی گردن پڑے بال دے دیکے جنوں نے مانگنا سکھلایا
تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین کہتے تھے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا مرقدیں سِال تکفیر بھی کی متقی فقہانے کہ نہیں؟
ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہے سو گوارہی سن لو کچھ چشمِ جہاں میں اپنی خواری سن لو
افسانہ قیس و کوہن یاد نہیں چاہو تو کہنا ہم سے ہماری سن لو
تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھو اسلام کا گزر کر نہ ابھرنا دیکھو
مانے نہ کبھی کہ مدھی ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھو

لے یہ اُن شعرا کے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصا ص رہا ہے
عام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اول کوشش اور بعد کا

دست میں ہی شرط ابتدا انسان سے پھر چاہیے انگلی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست مبارک سے لیا پانی نہ نجات نوحؑ نے طوفان سے
کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
چیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے
جھوٹی نمائش

میں جھوٹ کے بیج میں سب سمونیا لے بننے والوں سے کم ہیں ہونیوالے
گھڑیاں رہتی ہیں شکی جلیبوں میں مدام اکثر ہیں وہی وقت کے کھونیوالے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود دہتر ہوں ذاتیں جسکی ہزار بدن ہو عیب اسیں اگر ہوں دوچار
طاووس کے پائے زشت پر کر کے نظر کر حُسنِ جمال کا نہ اس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصرف بویوں وظیفہ خانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہی ہو جتنے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآن و خبر کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں مرنے کتابھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

۱۲ یعنی جیسا کہ کشتی نہ بنائی - ۱۲ (حالی)

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سو کہا ”ہو گا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا“
دہری نے کہا کہ ”کیا خدا کا منسکرا اُس سے بھی گیا کہ جبکہ لاکھوں ہوں خدا“

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ وجوب کانوں میں دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہو اجنبی مسافر جس طرح دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہوائے رفا رہر جا باقی کپڑے پہ ہو دین تلک کہ دھب باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھبہ ہے کپڑے پہ نہ کپڑے باقی

اپنی تعریف سن کر تاک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
جھاتے ہیں بہت وہ مدح سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہوتا تیش کچھ اور

حسن ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکہ راج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پراسکو کسی نے یاں پتایا ہی نہیں

دنیا رو کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبون جو حال اہل اسلام اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار اور نفع میں ہو گیا میحاجہ نام

فکر عقبی

منزل ہے بعید - باندھ لو زانو سفر - نمون ہے بحر - رکھو شتی کی خبر
گاہک چو کین ہے - پس لہو مال کھرا - ہلکا کر دو بوجہ ہے کھن را بگرا

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان ممکن ہے - بدی کا نہ رہے اس نشان
ممکن تو ہو سب کچھ یہ حقیقت یہ ہے انسان ہوا تک وہی قرآن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند برا ہے عشق کا سب کے آل پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً ظال
سلطان جو اگر ظلِ آلی - تو عشق ہو ظلِ آلی کے لئے وقتِ زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہر سیکے چارہ پر تجھ سے - بگڑنے کا نہیں ہے پارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

پڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیے

کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیتِ شب اٹھا چکے اب حالی مجلس کو برخاست - ہوا وقتِ سحر

دولت میں ثنابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑنے سے ہاتھ دل سے دھونا زردار ذرا سوچ سب بھگدونا
جس طرح کہ سونے کی کوئی ہر محک ہر جوہر انسان کی کوئی سوتا

حد سے زیادہ غصہ قابلِ عفو ہے

غصہ نہ کسی کے غصہ آتا ہے وہیں جب تک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قرین
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کسے ہوں آزرده کہ تو تو ہی نہیں

سُفہا کی مدح و ذم کرتے ہیں ستیہ اگر مذمت تیری
پر مدح کریں وہ گر (فیسبا عدا) رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لا علاج ہے

اب صنف کے بچے سے نکلتا معلوم پیری کا جانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چیز جس کا پانا ہو حال آتا ہے وہ وقت جس کا ٹکنا معلوم

اسراف

مُسیرت نہ بس اپنے حق پر کاٹے ہوئے نعمتِ خدا کی انگلیاں توں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے نہیں بہتر ہے اس کے فضولیوں پہ اُن کی روئیں

رو سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بہتر ہے ہزار بار اسے دُور ہمت سائل کے سوال سے تراخ جواب

کھانا بغیر جھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں، جو کچھ کے چکھ کے دل سے بھاہیں ہیں
پر جسے لذت تھی وہ کھانے اور جھوک جو کچھ کبھی کبھلائے ہیں ہیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال ہمارا کوئی دن کہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کر دو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ بد وشت کی پڑا جو کر کے بھلا خلق سے سننے میں برا
ان گالیوں کا جو جن کو چسکا حالی آتا نہیں ان کو کچھ دعاؤں میں مزا

مشکر یہ بیچ کلام رستم

جوش خیم بادہ خام خالی میں ہوا پھر ولولہ پیدا دل حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن مجھ کو بھی شکر اپنی بے کمالی میں ہوا
احسان بے منت

احسان ہے گروہ کی خواہش تم کو تو اس سے بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

۱۵ مولوی سلیم الدین مرحوم نازولی مقیم بے پور تخلص سلیم نے چند قطعے اردو فارسی
کے راقم کے کلام کی ستائش میں اس وقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہیں
ہوا تھا۔ ان قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔ ۱۲ (حالی)

کرتے ہو اگر ارجان تو کر دو اسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانونِ بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

مناظروں میں بیشتر یقیناً بیکار حاشا کہ ہوا ان پر تعلیمِ عالم کا مدار
جو نیک ہیں انکو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں بنتے نیک ان سے روز ہمار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہل شر سے اڑنا نہ کہیں بھڑکے گی بد اخلاقی اور آتش کہیں
گر چاہتے ہو کہ چپ ہیں اہل خلاف جز ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

سیکس
واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل

اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو جیل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر کہ حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

میانظف آتا ہوں نہ ایسا ہوں اور جیسا سمجھتا ہوں ویسا ہوں نہیں
اپنے سے بھی عیب ہو چھپاتا اپنے بس مجھ کو ہی معلوم ہو جیسا ہوں نہیں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرتا

آہیں پیری میں شیخ! بھرتے نہیں دل دیتیں۔ پرچی گزرتے نہیں یوں

تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرنے نہیں دیں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گہرے پوچھے جو اصول اسلام واعظ نے مٹتی سے کیا اس ہو کلام
بولاکر حضور مفتدراہوں جس کے ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب قارا امرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق نے اس کی چھوڑ دی ہمراہی
افتبال پہ جس نے فتحیابی پائی

حالی نے جائے کون بازی اُن سے
ہے جن کی رگوں میں خون آصفجاہی

عادت پٹری ہوئی مُشکل سے جاتی ہر

ہو عیب کی خواہ کہ ہنسر کی عادت مُشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
پچھتے ہی پچھتے گا اس نگلی میں جسانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

— (۱۲) —

۱۵ یہ رباعی مشعلہ ج میں جیکہ راقم حیدر آباد میں مقیم تھا اور نواب وقار الامر اسمیٰ
سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی مگر اُن کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون
آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قربت فریبہ رکھتے ہیں اور اقبال
کے لفظ میں اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔ (حالی)

عاشق کا نوحہ

مرنے پہ مرے وہ بدوشب روئیں گے جب یاد کریں گے مجھے تب روئیں گے
الفت ہے - وفا ہے - جاں نثاری پہ مری آگے نہیں دے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گزرے اک ختمہ جگر کی رات کیونکر گزرے
گدڑی سوز جس بغیر یاں ایک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیونکر گزرے؟

معتوق کی یاد

یاد اُس کی یہاں ورنہ دم اپنا ہے خالی نہ ہو کبھی وہ جسام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اُس کا کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

قول حق کا پاس

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ تنہا تھے پہ اعدا سب یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزید گمراہ !!! لا حول ولا قوۃ الا باللہ

حر کی آرزو

حرکتا تھا لے دل شہ ذبیحہ سول گمراہ نہ ہو رہی حق آگاہ سے مل
سرسنگی کوئے ضلالت کب تک؟ اللہ سے ملنا ہو تو چل شاہ سے مل

نزدیک
گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا
اک شام میں بیدار کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھا ہجر غفلت کی نزدیک
داں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید

ہستی تری گو نہیں ہے محتاج دلیل
صبر دل مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
یہ سچ خیس مطہین ہو کیوں کر
بے دیکھے ہوا نہ مطہین جبکہ خلیلؑ

ایضاً

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دور
ادراک سے ادھبل - تو نظر سے مستور
یہ حسرت دید دل میں قائم رکھو
بس یاس کی غلٹ میں ہی ہر اک نور

ایضاً

سفر اطمینادی میں تری کام آیا
سریرے لئے حسینؑ نے کٹوایا

۱۵ یہ رباعی اور اس کے آگے چوبیس رباعیاں ”ہلیگڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ“ مطبوعہ لاہور
شمارہ ۱۲ سے نقل کی گئی ہیں
۱۶ چوتھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو انہوں نے
جناب الہی میں عرض کیا تھا کہ ”بلی و لکن بیطمین قلبی“

مرکز کوئی پاسے - یا کہ سرکٹو کر پایا تھے جس نے اس نے سب کچھ پایا

ایضا

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ برسایا پیراہن سبز خاک کو ہنسایا
دانے کو کیا نخل تناور تو نے پانی جڑ سے چھنگ تک دوڑایا

خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہر سب سے بازی نے تری جلتے اٹے ہیں ترک بازی نے تری
ہے کا دوسری اور سہلا اس پہ گواہ جو گھر گھائے ہیں بے نیازی نے تری

طالب صادق آخر کیا بتا ہے

طالب کا رہے گا پڑ کے پاس آخر دے گا اُسے صدق دل لا سا آخر
جھوٹی نہیں گر پائیں - تو آگے پیچھے دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

تشنگی طلب

کب تک کوئی سوزش نہانی کو چھپائے کب تک اپنے کو تشنگی سیراب نہ کماے
کجدار دم ریز سے تری اے ساتی! پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے کہنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے

تو نے ہر درد سے دی آگے نجات پیری ارحمت ہوا تجھ کو صدمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منسلک تھا ہے گویا اب کوئی کا وقت آگیا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کا فور اکراکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدر قلت حاجت ہے

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شنشہ ہی اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہو یہ

افراط دولت کی مذمت

محنت سے وصول ایک پتیا ہو اگر کرا شرفیوں کی نیولی پر نہ نظر
یہ کیچلی میں بھرا ہوا سانپ ہے سانپ! ہاں! سوچ سمجھ کے ڈالنا ہوا عقاب پر

دولت کی تعریف

دولت خرمین بھی۔ برق خرمین بھی ہے تلوار کی دھار بھی ہے خوش بھی ہے
تھوڑا سا آسین شر۔ تو ہے خیر بہت گر سانپ ہے یہ۔ تو سانپ کا من بھی ہے

حالتِ بودہ پر متاعِ ہونا

حاصل ہے اگر خوشی تو ہر غم کی تلاش گرشہدِ شیر ہے تو ہر ستم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالتِ نقد پہ بیان جنت میں بھی شاید جو جہنم کی تلاش

خوشی کی امید رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دلیں اراں اور دوسرے پر ہے بار اولاد گران
گر چاہے عالمِ نعلن میں خوشی رکھتے نہ یہاں خوشی کی امید انسان

سب صحبتیں برہم ہونیوالی ہیں

نقشے میں خوشی کے سب بگڑنوالے پودے نہیں اسکے جڑ بگڑنوالے
مل بیٹھا ہے یہ ناؤ ندیِ سنجوگ ہیں اب کوئی دم میں سب بگڑنوالے

جیسی رعیت ہوگی ویسی ہی اس پر حکومت کی جائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال جب تک کہ رعیت کے بھلے ہو نہ خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں عمال میں بس ہی تمہارے اعمال

۱۱۔ اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جس میں سب اصحابِ توحیدی و بعد ازاں دوسرے ہی بگڑنوالے تھے
۱۲۔ اس رباعی میں حدیثِ ذیل کی طرف اشارہ ہے یعنی تمہارا کھڑا تھا لکھڑا ۱۲

دنیا کی موجودہ حالت

ہیں برکت۔ بچ سے ملک کا پامال کہیں
ظالموں پر نازل کہیں۔ بہو پچال کہیں
ابتر ہے کچھ ان دنوں نظامِ عالم
عالم نہ ہوں خلق کے اعمال کہیں

افسوں محبت

ہے جن کو کہ صید دل انسان کا خیال
لازم ہے کہ پھیلا میں محبت کا جال
استاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل
تعطیل نہیں نہ چھوڑیں مکتبِ اطفال

ترخارفِ نبوی کی بے ثباتی

گلشن میں نہیں ہر تری اے گل جوڑی
تو لے نہیں آن حسن کوئی چھوڑی
تھاجی میں کہ تجھ سے باندھے عہدِ صل
پر کیجئے کیا؟ عمر ہے تیری تھوڑی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ
اپنوں کو سلوک نیک سے پرچاؤ
پر بڑ نظر ہو گر حیاتِ ابدی
بیگانوں کو آشنا بناؤ۔ جاؤ

کام کا وقت

یارو! نہیں وقتِ عیش و آرام کا یہ
موقع ہے اخیرِ سفرِ انجام کا یہ
بس حُبِ وطن کا چپ چکے تمام بہت
اب کام کرو۔ کہ وقتِ ہر کام کا یہ

ذلت کی زندگی

نگہست میں ہر رنج و غم خوشی سے اولیٰ رونایاروں کا ہر مہنی سے اولیٰ
ہیں نہیں بے وقار پر دیں میں غبار مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ

قدرِ نعمت بعد زوال

دو چار اگر میں کام کرنے والے ہیں اُن کو ہزاروں نام دہر نیوالے
تب قوم کی شاید کہ کھلیں گی آنکھیں مرجائیں گے جب قوم پہ مرے والے

قومی خدمت کا صلہ

کھدوا جنھیں اصلاح کا ہر قوم کی چاؤ طعنے پھیلو۔ بُراستو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے ہر دست گر اس پہ قناعت کا ارادہ ہو تو آؤ

مصالحت کی بات ماننی لازم ہے

گر پیر مغان کہے ”مرید کج رار“ ہو مصالحت اس میں کچھ نہ کچھ اچھا ہوا
ہو تانہ مساکین کا گر خیر اندیش حضری اُن کا نہ توڑتا سفینہ زہنار

انصاف کی پکار

پادگے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف حق تلفیوں کے دلیں نہ ہوں جبکہ تنگات
گر غور سے مینے۔ غلّ ہو یہی چار طرف انصاف! انصاف! آہ انصاف! انصاف

۱۵ حضرت خضر کے قصہ کی طرف اشارہ ہو دیکھو آیات قرآنی و اما السیفۃ فحکانت لیساً کیناً ۱۵
یہ باغی اور اسکے آگے ۹ اور رباعیاں ”علیکم اللطیف“ ”گڑٹ موصوفہ“ ”اگست ۱۹۷۰ء“ ”نقل لکھی ہیں“

اپنے دست باز سے کام کرنے کی ترغیب
 اتر و دریا سے اپنے بلی تیر کے پار کہ تک تیرو گئے ہوئے تو نہوں پہ اسوار
 تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو سامان آدروں کا سہارا کٹنے والو! ہشیار!

..... (پندرہ)

پیری میں نفس کا اخوا کرنا
 پیری میں نہ عقل چین لینے دیتی کرتا دہستہ نہ دل کو گر نفس قوی
 یاد آتی ہے جب موت تو سمجھاتا ہے "بابا کے آمدی دے کے پیر شد ہی ہے"

قوموں کی زندگی اور موت میں فرق
 اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں چونکہ ٹھٹھے میں ایک ہاں "پہ ہاں پیر ہوا
 کرنی ملین دھی" مرده قوموں میں وہ کام جو کام اک کارٹوں "گلو تائے دہاں

نفس کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں
 یا نفس کی خواہشوں کو روک کر دروازہ یافتہ و فتر کے لئے رہ تیار
 لاگے ہوئے ہیں چار طرف گہات میں چور گھر سے ہشیار! مال دزر سے ہشیار!

..... (بیس)

یہاں صرف دو چیزیں ہیں
 گہر بار اپنا ہو اور نہ دولت اپنی گہنا اپنا - نہ ہے قرابت اپنی
 اپنی ہشیں کوئی نصیب نہ پناہ کو سوا ایکائت اپنی سہمہ - کیا سہمہ تر سہمہ اپنی
 لے جس موقع پہ ہم پہنچے ہیں ابھی ہمارے عمری کیا ہے "اسی طرح ایرانی اس طرح یہ لوگ بولتے ہیں
 "دے کے آمدی کے پیر شدی" اس نامی میں لڑکائی ظاہر کیا گیا ہو کہ نفس عقل کی بات نہیں چاہتا اور شہرہ نقدنا
 چاہتا ہے ۱۲۔

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے
 ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بد دور عاشق کی بے خودی حسینوں کا غرور
 یہ وہ نئے تار بے لٹے میں جس کے عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

تشنگی طلب

ساقی اسے سہا کے کام آنے والے خم اپنے پرانے پر لٹھ بھانے والے
 چھینٹا اک اوہر بھی بادۂ گلگوں کا اوٹسنہ لبوں کی دون بھانے والے

علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بڑھتا کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گہرا
 ہوتی جاتی ہے دُشمنی اتنی ہی فضا جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دنیا سراسر شر ہے

دنیا ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر رشتہ ہو بدی سے اسکا نیکی سے ہو خیر
 اور سب بڑا یہ عیب ہے اُس میں کہ آہ سہڑتی نہیں یہاں کسی طرح اس کے بغیر

میر انیس لکھنوی

(غیر بارہ)

اردو گوراج چار سو تیسرا ہے شہروں میں رواج کو بگوشہ ہے
 پرچہ تک آئیس کا سخن ہے باقی تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

میرائیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

دلی کی زبان کا سہارا تھا آئین اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا آئین
دلی جڑ بھٹی تو لکھنؤ اس کی ہمار دوڑوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا آئین
ہنگامہ مسجد کان پور

(منقول از روزنامہ دہلی روز، جلد نمبر ۱۰۶ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

یار این وطن نے قوم کا ساتھ دیا دمی قوم نے داد قوم بے رو کو زیا
ہر سو بھڑک اٹھی آگ ہمدردی کی ہنگامہ کان پور نے کام کیا

ایضاً

صد شکر وطن ہے کو حق نفرت نے کیا گہرا بل وطن کے دل میں الفت نے کیا
تقریروں سے ہو سکا نہ تحریر دل جو کار نمایاں کہ مصیبت نے کیا

ایضاً

تاہد میں ع کے جو بلا آتی ہے ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے
بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے روٹھے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے

روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از ہمدرد ۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء عیسوی)

مٹوں کی ہوس نہیاں خطابوں کی طلب اک ملک کی خدمت کا ہی سودا یار
دہلی روز کو اس سہم ہائستی کیجو اس نام کی لاج تری ہی ہاتھ ہواب

حصہ سوم تمام شد

باہتمام منشی عبدالغفر نیک خان پرنٹر

عزیزی پریس گزٹہ چچا پگیا

CALL No.

۸۹۱۹۲۳۱
ن ۱۱۲

ACC. NO.

۱۴۳۷۴

AUTHOR

حاجی، خواجہ الطاف حسین

TITLE

کلیات نظم حاجی، سر سید احمد خان

(۲۱-۲۹۰)

ALLOU SECTION

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME
OF ISSUE

T 10.11.08



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

ALLOU SECTION

